وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ

شمارہ نمبر 2
جولائی، اگست 2016

جشنِ آزادی
خاص نمبر

یومِ آزادی مبارک

قلم کی روشنی

بانو قدسیہ آپا کے زیرِ سایہ

مدیرہ اعلیٰ: رفعت خان
مدیرہ: عظمیٰ فردوس

آزاد پاکستان

قلم کی روشنی (رجسٹرڈ)

سلسلے وار ادبی رسالہ

پاکستان

جشن آزادی مبارک
پاکستان زندہ باد

دلچسپ و معیاری سلسلوں سے سجا گلدستہ
نسلِ نو کے لیے اردو ادب کا ابھرتا سورج

اُردو سے ادب تک ادب سے اُردو تک
ہر گھر کی ضرورت ہر فرد کی ضرورت

قلم کی روشنی معروف ادبی شخصیت محترمہ بانو قدسیہ آپا کے زیرِ سایہ، اُردو ادب کے فروغ اور نئے لکھاریوں کے ذوق وشوق کو مدنظر رکھ کر شائع کیا۔

ترجمہ: قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں

ماہنامہ قلم کی روشنی

رجسٹرڈ

شمارہ نمبر 2

جولائی، اگست 2016

آزادی خاص نمبر

نئے قلمکاروں کی پہچان، قومی زبان اردو میں شائع ہونے والا واحد ماہنامہ رسالہ

نوٹ

قلم کی روشنی کی اشاعت نئے قلمکاروں کی حوصلہ افزائی، اصلاح اور آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کرنے کی غرض سے کی جا رہی ہے۔ ہم کوشش کرتے رہیں گے کہ ہماری مکمل توجہ نئے قلم کاروں کی اصلاح و حوصلہ افزائی کی طرف مرکوز رہے، کہیں کمی بیشی رہ جائے تو آپ قارئین سے التماس ہے کہ نئے قلمکاروں کی اردو لغات اور سوچ کی تصحیح و اصلاح کرنے میں ہمارا ساتھ دیتے رہئے گا، ہم آپ کے ممنون رہیں گے۔ ان شاءاللہ یہی قلمکار روشن مستقبل اور خوشحال پاکستان کی ضمانت بنیں گے۔ جزاک اللہ الخیر! یہ اہم بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ ادبی رسالہ، "قلم کی روشنی"، کسی بھی ادارہ کے ساتھ منسلک نہیں، ادبی رسالہ، "قلم کی روشنی"، میں سب فی سبیل اللہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی اور اردو ادب کو فروغ دینے کے لیے کام کر رہے ہیں خالص نیت کے ساتھ آپ کا لکھنا جہاد بالقلم ہے، اس کے لیے معاوضہ طلب نہیں کیا جاتا البتہ مقابلہ جات میں انعامات یا اعزازیہ مل جائے تو قبول کر لینے میں حرج نہیں۔ تحاریر شائع ہونے پہ کوئی لین دین نہ ہوگی۔ رسالہ کی بہترین کامیابی پر، "قلم کی روشنی"، کی جانب سے سالانہ ایوارڈ تقریب تقسیم انعامات کو ترجیح دی جائے گی اور رسالہ قلم کی روشنی سے بہترین لکھاری کا انتخاب کیا جائے گا اور اسے ایوارڈ دے علاوہ معیاری تحاریر کی بنیاد پر با معاوضہ ماہنامہ قلم کی روشنی کے لئے مستقل لکھاری بھی چنا جاسکتا ہے ان شاءاللہ! اللہ تبارک و تعالیٰ، "قلم کی روشنی"، کے تمام اراکین اور ممبران کو باہمی اتحاد و یگانگت اور ذمہ داران کو اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے، نیک مقاصد کے حصول کے لیے دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین

ضروری ھدایات: تحریر آپ کی اپنی تخلیق ہو، کاپی یا نقل شدہ تحریر نہیں ہونی چاہئے، اپنی تحریریں ان پیج یا یونی کوڈ میں لکھ کر میل کریں یا صفحہ کے ایک طرف ایک سطر کی فاصلے پر خوشخط لکھی ہو، تحریر مختصر اور جامع ہو، انگلش کا استعمال نہ ہو۔

قیمت فی شمارہ پاکستان 100 روپے سالانہ تعاون 1200 و ڈاک خرچ سعودی عرب 10 ریال سالانہ 120 امریکی/برطانوی 10 ڈالر/پاؤنڈ سالانہ 120

www.facebook.com/qalamkiroashni

خط و کتابت دفتر ماہنامہ قلم کی روشنی پی او بکس نمبر ا خانپور ضلع رحیم یار خان

رابطہ نمبر 0685573392 03134187021

اوقات کار: ۳ بجے تا ۶ بجے شام

تیمور بلاشبہ ایک اچھی کوشش تھی بالخصوص مواد کا انتخاب بہت معیاری تھا اور جن مستقل سلسلوں کا آغاز کیا گیا ان میں بھی انفرادیت نظر آئی، کچھ تکنیکی خامیوں کے باوجود مجموعی طور پر اسے اردو ادب اور نئے لکھنے والوں کیلئے ایک بہتر پلیٹ فارم کا آغاز قرار دیا جا سکتا ہے، اس شمارے کی ایک بڑی خصوصیت مکالمہ سازی کے حوالے سے ایک مضمون بھی تھا جس سے خود مجھے بھی کئی نئی باتیں سیکھنے کا موقع ملا، میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، پر امید ہوں کہ قلم کی روشنی نئے لکھنے والوں کی آبیاری میں بھرپور طریقے سے کامیاب ہوگا۔

☆گل افشاء رانا بہت معیاری رسالہ ہے۔ اخلاص سے آگے بڑھتے تو بہت ترقی و کامیابیاں پائے گا۔ تمام تمہارے محنتی ہیں۔ میری تمام نیک تمنائیں ساتھ ہیں۔

☆سحرش فاطمہ: "قلم کی روشنی" کے لئے میں سب سے پہلے رفعت خان کو مبارکباد دینا چاہوں گی کہ اتنے کم عرصے میں ایک قدم اور بڑھی ہیں ماشاءاللہ!

جب یہ گروپ تھا تب بھی کافی مقبول تھا اور اب بھی ہے تاہم اس گروپ کا پرنٹ فارم میں آنا اس بات کی گواہی ہے کہ رفعت نے اس پہ محنت کی ہے۔

نئے لکھاریوں کے کام کو فروغ دینا واقعی بہت مشکل کام ہے جو یہ ٹیم کر رہی ہے۔ کوشش کریں کہ اپنے رسالے کو ایسا رکھیں کہ اس میں ہر طرح کی باتیں ہوں معلومات ہوں، مرد اور عورت لکھاری ہوں۔ میری جانب سے بہت نیک خواہشات۔

عدیلہ سلیم

میں نے کچھ دن انتظار کیا کہ قلم کی روشنی میرے ہاتھ کی زینت بنے گا، مگر مجھ تک قلم کی روشنی پہنچا نہیں، مگر اسی دن رفعت آپی نے جب قلم کی روشنی کا لنک اپ لوڈ کیا تو میری خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ دل باغ باغ ہو گیا۔ کیونکہ قلم کی روشنی پڑھنے کو جو مل گیا تھا۔ قلم کی روشنی کا پہلے مجھے علم نہ تھا مگر مجھے گروپ میں ایڈ کیا گیا تو پہلی نظر ایونٹ پر پڑی۔ پھر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کالم لکھا جس میں میری دوم

لفظ اس بات کی تصدیق کر رہا تھا کہ یہ سچائی کی تہہ میں لپٹے الفاظ کا مجموعہ ہیں۔ میری ڈائری سے، جب یہاں پہ ہر ایک کی تحریر پڑی تو ہر تحریر ساتھ ساتھ میرے اندر جذب ہوتی چلی گئی۔ ہر ایک کی شاعری ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ سب کی کاوش رنگ لائی، اللہ تعالیٰ رفعت آپی کو ترقی کی لاتعداد منازل عطا کریں، آمین، اور قلم کی روشنی اسی طرح ہمیں خوشی کے پیالے سے لبریز رکھے۔

☆☆☆

تبصرے

"قلم کی روشنی" پڑھا۔ بہت اچھا لگا۔ سب ہی سلسلے بہت اچھے ہیں۔ نئے لکھنے والوں کیلئے اور اردو میں بہتری کیلئے انجمنیں جیسے بہترین سلسلہ ہے۔ بچوں اور بڑوں دونوں کیلئے اچھا ادب اور مفید معلومات سے بھرپور ہے۔ شاعری، دستکاری، بیوٹی ٹپس اور آپ کا باورچی خانہ بہترین سلسلے ہیں۔ راہ رفاقت کا پہلا آرٹیکل دیکھ کر اچھا لگا۔ غلام عباس گل کا انٹرویو پسند آیا۔ آپ کی ڈائری بھی بہت اچھا سلسلہ ہے۔ قلم کی روشنی کا جو بیڑہ رفعت نے اٹھایا ہے دعا ہے کہ دن دوگنی رات چوگنی کامیابیاں سمیٹتا رہے۔ صبا فیصل فیصل آباد۔

☆☆☆

شکریہ رفعت رسالہ ملا پڑھ کر دل خوش ہو گیا، بہت خوبصورت رسالہ ہے بہت محنت سے تیار کیا گیا ہے، واقعی لگا ہے کہ اس میں چھوٹے بچے سے لے کر بڑے لوگوں تک کا مزاج شامل ہے اتنا خوبصورت رسالہ نکالنے پر دلی مبارکباد قبول ہو۔ صالحہ عزیز بزم منزل کراچی

☆☆☆

مدیرہ اعلیٰ رفعت خان صاحبہ کی طرف سے ماہ نامہ "قلم کی روشنی" موصول ہوا، رفعت خان صاحبہ کا شکریہ جس نے سب پڑھنے والوں کو اتنے پیارے میگزین سے نوازا۔ قلم کے ذریعے اہل علم اور اہل ادب لوگوں نے نسل انسانی کے دلوں پر راج کیا ہے۔ دعا گو ہوں رفعت خان صاحبہ قلم کے ذریعے اپنے قارئین کے دلوں پر راج کرتی رہیں۔

کے ذریعے ماہ نامہ "قلم کی روشنی" موصول ہوا۔ پہلے شمارے کی اشاعت پر میری طرف سے مبارکباد قبول کیجئے۔ آپ کی اردو ادب کے فروغ کے لیے کی جانے والی کاوشوں کو دل سے سلام اور مجھ جیسے نئے لکھاریوں کو اپنے میگزین کا حصہ بنانے پر بے حد شکریہ کیونکہ اس میں میری ایک غزل اور اقوال بھی شائع ہوئے ہیں، دعا ہے کہ "قلم کی روشنی" دنیائے اردو ادب کا روشن ستارہ بن کر چمکے۔ آمین۔ ناہید اختر بلوچ

☆☆☆

ماہنامہ "قلم کی روشنی" کا تحفہ موصول ہونے پر محترمہ رفعت خان اور خصوصاً محترمہ عظمیٰ فردوس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ "قلم کی روشنی" بلاشبہ اردو کی ترقی و ترویج کے لیے ایک بہتر قدم ہے۔ مدیرہ اعلیٰ محترمہ رفعت خان مدیرہ محترمہ عظمیٰ فردوس و دیگر ٹیم ممبران کو میگزین کی اشاعت پہ دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ بلاشبہ یہ نئے لکھاریوں کی حوصلہ افزائی اور اصلاح کے لیے ایک اچھا پلیٹ فارم ثابت ہوگا۔ ابھی میگزین کا سرسری جائزہ لیا ہے بہت دلچسپ اور معلوماتی سلسلے معلوم ہوتے ہیں تفصیلاً پڑھنا ابھی باقی ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس قلم کی روشنی سے جہالت کے اندھیرے دور فرمائے اور اس کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر محمد علی قیصر۔ لاہور

☆☆☆

والسلام علیکم

قلم کی روشنی میگزین ملا، بہت بہت شکریہ قلم کی روشنی کا پہلا شمارہ شائع ہونے پہ بہت بہت مبارکباد اللہ آپکو آپکے مقاصد میں کامیاب کرے آمین ماشاءاللہ بہت ادبی شمارہ ہے اللہ پاک آپکو کامیابیوں سے نوازے آمین

۔فہمیدہ فہیم انجم

☆☆☆

☆نعت : سید عطاء المصطفیٰ

☆اداریہ : رفعت خان

☆آپ کے مسائل کا حل قرآن کی روشنی میں

مفتی تنویر الحسن احرار

☆پانچ اسلامی سوالات

☆"قلم کی روشنی" کا تعارفی سلسلہ

انچارج فاطمہ حسینی

معروف ادبی شخصیت کا تعارف (ابن صفی)

گفتگو: معروف مصنف: (محمود ظفر اقبال ہاشمی)

☆آپ کی کالم نگاری ---"

."قلم کی روشنی" میں بچوں کے ادب کا مستقبل" مریم جہانگیر

خصوصی کالم آزادی تحریر جواد خان حویلیاں

☆۔مقابلہ کالم نگاری: موضوع" آزادی

اول: حلیمہ وحید

دوم: ثناء واجد

مختصر افسانہ، آزادی،، مصنف محمود ظفر اقبال ہاشمی

☆مقابلہ افسانے موضوع: آزادی

انچارج: وجیہہ سحر خوشاب

اول: مقید آزادی اُم شافعہ

،،دوم: آزادی کیا ہے؟ صائمہ شعیب۔لاہور

سوم: شناخت حفصہ فیصل

قسط وار ناولٹ: کون ہو تم؟ رفعت خان

☆ہمارا پیارا پاکستان، انچارج کہکشاں صابر

☆ہمارا پیارا سلسلہ دستکاریاں انچارج عظمیٰ فردوس

☆آپ کا باورچی خانہ

انچارج عظمیٰ فردوس جدہ

مقابلہ خاص پکوان

جلے برتنوں کی صفائی

☆بچوں کا ادب

رنگ میرا جہاں، خوش خلقی علینہ ملک

بچوں کے قہقہے، پیاری معلوماتی باتیں، کوثر ناز

پیاری کہانیاں انچارج صداقت حسین ساجد

ناروے کی لوک کہانی: انگلیوں کا فیصلہ صداقت حسین

جیت: علی اکمل تصور

خوفناک گمراہ: حفصہ فیصل

چڑیا اور جگنو: رابعہ خالد

☆شاعری انچارج: صبا جمال

ماضی کے جھروکے میں،، مرزا غالب،، دوسرا حصہ

مقابلہ شاعری موضوع،، آزادی،،

موضوع ہمارا شاعری آپ کی

موضوع،،دل،،

ذاتی تخلیق

☆اقوال زریں انچارج: ایہا غزل

آپ کے ذاتی اقوال

منتخب اقوال

ہمارے قومی کھیل انچارج مسکان احزام

مزاح نگار: رخ یعقوب

☆اردو ادب اور الجھنیں سلجھنیں انچارج: رفعت خان

مشق معمہ: عظمیٰ فردوس

☆موضوع ہمارا مکالمے آپ کے

انچارج رضیہ رحمٰن خانیوال

دعا کے مفہوم اور اہمیت کے موضوع پر مکالمہ

☆اردو کی ترویج، سوشل میڈیا اور ان پیج انچارج یسریٰ امین

اردو میں لکھنے کی اہمیت

☆ سب سے آگے: انچارج: ایمہ اظہر

"میرا تعارف میری زبانی"

☆آئیے حسن کو نکھاریے:

انچارج: رابعہ عمران چودھری

موسم گرما میں دیرپا میک اپ

میک اپ ٹپس

خصوصی ہدایات تحریر نادیہ خالد

☆ خصوصی سروے: انچارج زینب ملک ندیم

نوٹ: (ادارے کی پالیسی کے تحت رسالہ کے اپنے مستقل سلسلے اور تحاریر کاپی کرنے کی اجازت ہرگز نہ ہے۔

انٹرنیشنل اسٹینڈرڈ بک نمبر 5-20 پاکستان سے منظور شدہ ادبی رسالہ "قلم کی روشنی" خانپور ضلع رحیم یار خان

ماہنامہ ,,قلم کی روشنی،، کی تقریبِ رونمائی میں پڑھا گیا ستائشی مضمون



حاضرین بزم! السلام علیکم

اس دنیا میں مختلف شخصیات مختلف میدانوں میں اپنے جوہر دکھاتی نظر آتی ہیں مگر معدودے چند ہی سہی، دنیا میں ایسے لوگ ابھی موجود ہیں,, جو ہرفن مولا،، قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ قدرت بیک وقت بہت سی خوبیوں سے مزین کر کے انہیں لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بنا دیتی ہے۔ ایسے ہی با کمال لوگوں میں سرزمیں خانپور سے تعلق رکھنے والی، آج کی تقریب کی روح رواں محترمہ رفعت خان صاحبہ بیک وقت بہت سے میدانوں کی شہ سوار ہیں۔ وہ شاعرہ ہیں، کالم نگار ہیں، مضمون نگار ہیں، افسانہ نگار ہیں، ناول نگار ہیں۔ وہ ایک دردمند دل رکھنے والی سماجی کارکن بھی ہیں۔ انہوں نے ,, اجالا ویلفیئر سوسائٹی،، کے نام سے ایک پرائیویٹ ادارہ بنایا ہوا ہے جہاں غریب اور نادار بچیوں کو سلائی، کڑھائی اور بیوٹیشن کورسز مفت کروائے جاتے ہیں تا کہ یہ بچیاں کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کی بجائے اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکیں۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ:

اپنے لئے تو سب ہی جیتے ہیں اس جہاں میں ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا

تعلیمی، ادبی، رفاحی، سماجی اور صحافتی سرگرمیاں جذبہ حب الوطنی سے سرشار رفعت خان کی زندگی کا جزوِ لاینفک ہیں۔ لیکن حیرت اور خوشی کی بات یہ ہے کہ وہ یہ سب کام اپنے گھر بیٹھ کر انجام دیتی ہیں۔ بطور مسلمان ہمارا یقین ہے اللہ تعالیٰ اگر ایک در بند کرتا ہے تو سو در کھول دیتا ہے بلکہ وہ ایک در بند کرنے سے پہلے سو در کھلنے کا انتظام کر دیتا ہے۔ ہماری آج کی تقریب کی روح رواں ایک بہت ہی خاص شخصیت ہیں۔ وہ ایک (SPECIAL PERSON) ہیں جنہوں نے اپنے کمی یا معذوری کو اپنے جذبۂ دل سے شکست فاش دی ہے۔ بہزاد لکھنوی کے الفاظ میں:

اے جذبہ دل گر میں چاہوں، ہر چیز مقابل آجائے منزل کے لئے دو گام چلوں، اور سامنے منزل آجائے

رفعت خان نے ایک ادبی میگزین نکالنے کا جو خواب دیکھا تھا وہ آج الحمدللہ ,, ماہنامہ قلم کی روشنی،، کی شکل میں شرمندۂ تعبیر ہو چکا ہے جو رفعت خان کی اولوالعزمی کا بیّن ثبوت ہے۔ رفعت خان خود لکھتی ہیں:

وہ قلم کے آسرے پر زندگی کرتی رہی دردوغم سہتی رہی اور شاعری کرتی رہی
بے کس و لاچار ہے، مجبور ہے، تو کیا ہوا وہ قلم کی پاسباں، معذور ہے تو کیا ہوا؟
اس کو اقلیمِ سخن کی تاجور ایسا کیا اس کو قدرت نے ودیعت اک ہنر ایسا کیا
اس کی خاطر گنبدِ افلاک روشن ہوگئے افلاک کیا، آفاق کے آفاق روشن ہوگئے

میں ,, قلم کی روشنی،، کی اشاعت پر رفعت خان اور ان کی ٹیم کی تمام اراکین کو مبارکباد پیش کرتی ہوں اور دامے، درمے، سخنے ہر طرح کے تعاون کی یقین دہانی کرواتی ہوں۔ اہل خانپور! سے میری درخواست ہے کہ رفعت خان ایک انمول رتن ہے، اس کی قدر کیجئے، اسے تراشئے، چمکایئے، اسے ضائع ہونے سے بچایئے، اس کا ساتھ دیجئے، اس سے تعاون کیجئے۔ کیونکہ وہ خود شکوہ کرتے ہوئے کہتی ہے:

وحشتوں کی بھیڑ میں وہ کھو نہ جائے دوستو! دیکھنا پامال ہی وہ ہو نہ جائے دوستو!

مجھے یقین ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے اس کے عزائم میں کامیاب وکامران کرے گا اور رفعت خان ادب کے آسمان کی رفعتوں کو چھو لے۔ ان شاءاللہ۔ کیونکہ

ارادے جن کے پختہ ہوں، نظر جن کی خدا پر ہو تلاطم خیز ماجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

رضیہ رحمٰن
اسسٹنٹ پروفیسر وصدر شعبہ اردو
گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج برائے خواتین، خانیوال





حمد باری تعالیٰ

سید عطا المصطفیٰ - پاک ساگھڑ سندھ

تو برتر تو ہی اعلیٰ، انت مولانا .
ترا ہم کو سہارا، انت مولانا
جہان رنگ و بو تیری کہانی ہے
مصنف تو ہی اس کا، انت مولانا
زمین و آسماں میں حکمتیں تیری
کوئی ڈھونڈے تو ہوں وا، انت مولانا
ترے بندے تجھے چاہیں ہمیشہ ہی
کوئی تجھ سا حسیں کیا، انت مولانا
وسیلہ حشر میں تیرا نبی ہوگا
سو ہم کو بخش دینا انت مولانا
حسیں تو ہے حسیں تیرا نبی ہے حد
حسیں ہے عرش تیرا انت مولانا
عطا حاضر ہے تیرے سامنے مالک
اسے اپنا بنانا انت مولانا

☆☆☆

نعت

سید عطا المصطفیٰ - پاک ساگھڑ سندھ

محشر میں کیسے پائیںگے ان کی اماں نہیں
ان پہ یقین ہے مرا ،ہرگز گماں نہیں
طاقت قلم میں وہ کہاں تعریف لکھ سکے
ان کی ثنا بیاں جو کرے وہ زباں نہیں
شاعر ہوں میں ادیب ہوں سب کچھ ہی ہوں مگر
میں کچھ نہیں حضور کا گر نعت خواں نہیں
رونق کہاں ہے ان کی گلی سی جہان میں
ان کے دیار کا سا کوئی سائباں نہیں
بس اذن چاہتا ہے حضوری کا اب عطا
گھٹنوں کے بل بھی راستہ اس کو گراں نہیں

☆☆☆

اِداریہ

السلام علیکم دوستو!

۲۸ مئی ۲۰۱۶ میری زندگی کا ایک سنگِ میل۔۔۔!!!

جہاں میری جاگتی آنکھوں کے ایک دیرینہ خواب کو حقیقی تعبیر ملی اور میرے ادبی سفر میں ایک نیا موڑ میرے رسالے ”قلم کی روشنی“ جو کہ اب آپ سب کا اپنا ہے کے اجراء سے آیا اور یہ دن میری زندگی کا وہ سنگِ میل تھا جس کو تراشنے کے لیئے حالات نے ہاتھوں سے اوزار چھین کر تنہا کر دیا لیکن اذنِ خداوندی تھی اور دل میں ایک جنون کہ انگلیوں اور ناخنوں کے زخموں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دن رات کی محنت سے اس کو تراشا اور بالآخر ۲۸ مئی کی شام اس سنگ کو ”سنگِ میل“ بنا کر زندگی کے یادگار موڑ پر رکھنے میں کامیاب ہو گئی۔آپ سب دوست احباب کی ممنون ہوں جنھوں نے بھرپور ساتھ دیا یقین مانیں آپ سب کا خلوص اور محبتیں پا کر مجھے دلی خوشی ہوتی ہے ہماری پاکستانی قوم کے دل بہت خوبصورت ہیں اتنے خوبصورت کہ کوئی بھی ان دلوں میں رہنا اپنی خوش قسمتی تصور کر سکتا ہے میرے لیے یہ ایک اعزاز کی بات ہے کہ آپ سب نے مجھے جو مان عزت دی میں لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر ہوں کیونکہ محبتوں کا نہ مول ہوا کرتا ہے اور نہ ہی بیان ،سمندر میں اٹھتی ہر لہر کا ارمان اور اس کی منزل ساحل سے ٹکرا کر اس کی محبت میں فنا ہو جانا ہے اور یہ تب ہی ممکن ہوتا ہے جب ہر اٹھتی لہر کے پیچھے دوسری لہر اس کو سہارا دے ورنہ لاکھوں لہریں اٹھتی اور دم توڑ

جاتی ہے۔۔۔اسی طرح ”قلم کی روشنی“ کو نکالنے کا مقصد بھی کچھ لہروں کا سا ہے کہ ادب کی اس دنیا میں اردو زبان کی جس حد تک ممکن ہو اشاعت و ترویج کرتے کرتے اس دنیا سے رخصت ہونا ہے نہ کہ کوئی ذاتی مفاد نہ کسی سے کوئی مقابلہ بازی ہے۔۔۔ہم سب کا مقصد اردو کا فروغ ہے تو آیئے ہم سب کو مل کر قدم سے قدم ملا کر چلنا ہے، سمندری لہروں کی مانند ایک دوسرے کا سہارا بننے کی کوشش کرنا ہے ،ماہ رمضان کے اس بابرکت مہینے میں آپ تمام احباب جنھوں نے پہلے شمارے کو بے حد سراہا، پسندیدگی اور خوشی کا اظہار کیا اور اس کی ترقی و شہرت کے لیئے بھرپور خالص دلی دعائیں دیں ہم تہہ دل سے ممنون ہیں اور آپ سب کے لیئے صحت ،تندرستی ،خوش حالی اور دنیا و آخرت کی کامیابی کی دعا کرتے ہیں۔عید الفطر تمام مسلمانوں کے لیے اللہ کی طرف سے خاص تحفہ ہے

اور اس خاص تہوار پر سب اپنے پیاروں کو تحفے پیش کرتے ہیں جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں ”قلم کی روشنی “عید خاص نمبر آپ کو تحفتاً پیش کرنے کے لیے قلم کی روشنی ٹیم نے انتھک محنت سے بروقت رسالہ اشاعت کے لیے پبلشر تک پہنچانے میں ہمارا بھرپور ساتھ دیا مگر افسوس پبلشر پرنٹنگ پریس میں پیش آنے والے حادثے کی وجہ سے عید خاص نمبر عید الضحیٰ تک تاخیر کا شکار ہوا ،ہم معذرت خواہ ہیں امید کرتے ہیں۔جیسا کہ ہمارا دوسرا شمارہ جشن آزادی خاص نمبر آپ کے ہاتھوں کی زینت بن چکا ہے اسے پڑھیں اور ہمیں اپنی قیمتی آراء سے آگاہ کیجئے ۔امید ہے ان شاء اللہ ہم سب کا ساتھ یونہی سدا بنا رہے گا ۔آمین۔

میری طرف سے آپ سب کو جشن آزادی مبارک ہو پاکستان زندہ باد

آپکی مخلص آپی

: رفعت خان

آپ کے مسائل کا حل

قرآن وسنت کی روشنی میں

انچارج
مفتی تنویر الحسن احرار

سوال 1: ایمان کیا ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کریں

جواب: ایمان کہتے ہیں ضروریات دین کو تسلیم کرنا اللہ تعالیٰ ،فرشتوں، آسمانی کتابوں تمام رسولوں اور آخرت کے دن پر ہر اچھی اور بری تقدیر کہ اللہ تعالیٰ ہی کیطرف سے ہے، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ان باتوں کو تسلیم کرنا عین ایمان ہے۔

☆سوال 2: صدقہ فطر کیا ہے؟

جواب: فطر کے معنی روزہ کھولنے یا نا رکھنے کے ہیں اللہ نے اپنے بندوں پر ایک صدقہ مقرر فرمایا ہے کہ رمضان کے ختم ہونے پر روزہ مکمل جانے کی خوشی اور شکریہ کے طور پر ادا کریں اسے صدقہ فطر کہتے ہیں۔

☆سوال 3: صدقہ فطر کا اصل حقدار کون ہے؟

جواب: جن لوگوں کو زکوہ دینا جائز ہے انہیں صدقہ فطر دینا بھی جائز ہے مثلاً فقراء مساکین، مستحق بیوگان، یتیم، مدارس کے طلبا اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنیوالے

☆سوال 4: صدقہ فطر کس چیز اور کس قدر دینا چاہیے؟

جواب: صدقہ فطر میں ہر قسم کا غلہ یا اسکی قیمت دینا جائز ہے تفصیل اسطرح ہے۔

گندم تقریباً سوا دو کلو۔ جو تقریباً 4 کلو یا اسکی قیمت
نیز کشمش اور کھجور سوا دو کلو یا اسکی قیمت۔

☆سوال 5: صدقہ فطر کیوں نکالا جاتا ہے؟

جواب: صدقہ فطر رمضان کے روزوں کی ادائیگی کی خوشی میں یا جو کمی رہ گئی اللہ معاف فرما دیں۔

☆سوال 6: نماز عید کی کتنی تکبیرات ہیں؟

جواب: نماز عید کی 6 زائد تکبیرات واجب ہیں۔

☆سوال 7: دونوں رکعتوں میں 3،3 ہیں
پہلی میں ثناء کے بعد
دوسری میں قراءت کے بعد

☆سوال 7: کیا نماز عید مستورات پر بھی فرض ہے؟

جواب: نماز عید عورتوں پہ فرض نہیں نا ہی وہ اس نماز کی ادائیگی کی مکلف ہیں۔

☆سوال 8: نماز عید میں کتنے خطبے ہوتے ہیں؟

جواب: نماز عید میں جمعہ کی طرح 2 ہی خطبے ہیں۔

محترم قارئین آپ بھی کسی مسئلے کا صحیح حل چاہتے ہیں تو جلد از جلد ہمیں ای میل کریں یا خط ارسال کریں ان شاء اللہ اگلے شمارے میں آپ کے مسئلے کا حل موجود ہوگا۔☆☆

☆ پانچ اسلامی سوالات

محترم خواتین وحضرات ہم اس صفحے پر ہر شمارے میں پانچ پانچ اسلامی سوالات کریں گے۔ جو ہمیں درست جواب دے گا۔ سب سے پہلے جوابات بھیجنے والے کو انعام سے نوازا جائے گا۔ نوٹ تمام درست جوابات بھیجنے والوں کے نام شائع بھی کیے جائیں گے۔ اگر آپ کے پاس ان تمام سوالوں کے جوابات ہیں تو پھر رسالے کی دی گئی شرط کے مطابق جلدی ارسال کیجئے سوالات حاضر خدمت ہیں۔ اپنے ٹھیک جوابات اپنے نام پتہ کے ساتھ ہمیں qalamkiroshni@gmail.com ای میل کریں یا دفتر ماہنامہ قلم کی روشنی پی او بکس نمبر 1 خانپور ضلع رحیم یار خان پاکستان بذریعہ ڈاک ارسال کریں

1۔ بچوں میں سب سے پہلے اسلام کون لایا تھا؟
2۔ اس صحابی رسول ﷺ کا نام بتائیں جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ ہوتے۔؟
3۔ قرآن پاک میں کتنی سورتیں مدنی اور کتنی سورتیں مکی ہیں؟
4۔ یار غار کس صحابی کو کہا جاتا ہے؟
5۔ وہ کون سے صحابی رسول ﷺ ہیں جنہوں نے ساری زندگی اسلام کے نام پر اپنی دولت لٹادی لیکن پھر بھی انہیں باغی کہہ کر شہید کیا گیا؟

کوپن برائے انعامی سلسلہ اسلامی سوالات

نام ۔۔۔۔۔۔۔۔ ولدیت ۔۔۔۔۔۔۔۔ عمر ۔۔۔۔۔۔
تعلیم ۔۔۔۔۔۔۔۔ پتہ ۔۔۔۔۔۔ رابطہ نمبر ۔۔۔۔۔
منجانب: آپ کا اپنا جریدہ ماہنامہ قلم کی روشنی شارہ؟
کوپن یہاں سے کاٹیں ....

معروف ادبی شخصیت ابن صفی کا تعارف

انچارج
فاطمہ حسینی ۔ کراچی

ابن صفی ادب کا بڑا نام جس نے افق کی بلندی کو چھوا اور ایسا ادب تخلیق کیا جو انکی وفات کے بعد بھی پڑھنے والوں کو اتنا ہی اچھوتا اور نرالا لگتا ہے جیسا کی ابن صفی کے دور میں لگا کرتا تھا بلکہ یہ کہنا غلط ہوگا کہ اس دور جدید میں ان کی تحریر میں کوئی کمی نہیں پائی جاتی ذہن محوِ حیرت ہے اس دور میں اللہ تعالیٰ نے ابن صفی کو وہ صلاحیت عطا کی کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے ان کی سوچ اور تحریر نگاری عطیہ خداوندی ہے۔

ابن صفی نے تھکے ہوئے ذہنوں کو مایوس لوگوں کو اپنی تحریر سے وہ عظیم لمحات دیئے کہ وہ اپنی تھکن مایوسی بھلا کر تحریر کی گہرائی میں ڈوب گئے ابن صفی کو پڑھنے کے دوران انھیں کسی اور طرف توجہ دینے کا موقع ہی نہیں ملا ابن صفی ہی اس ادبی شخصیت کا نام ہے، جس نے تھکے ہوئے ذہنوں کے لئے صحت مند تفریح مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے لوگوں میں کچھ نہ کچھ پڑھتے رہنے کی عادت ڈلوائی ہے۔ اس کے علاوہ، برصغیر میں ریڈنگ لائبریریوں (reading libraries) کے رواج کو ابن صفی ہی کا کارنامہ کہا جاتا ہے۔ آج کا قاری بھی ابن صفی کا ناول ایک ہی نشست میں ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ کمال کسی اور مصنف کو حاصل نہیں ہے!

ابن صفی نے اپنے جاسوسی ناولوں کو دو قسم کی سیریز میں پیش کیا ہے۔

1) فریدی سیریز

2) عمران سیریز

فریدی اور عمران ... ابن صفی کے تخلیق کردہ وہ دو لازوال کردار ہیں، جن پر باقاعدہ ریسرچ کی جا سکتی ہے۔ کرنل فریدی ... ابن صفی کا تخلیق کردہ وہ پہلا اور بیجل کردار ہے جو انسان کم اور روبوٹ زیادہ نظر آتا ہے۔ یہ کردار جسمانی اور عقلی سطح پر فولاد کا بنا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اپنے جیالے پن، بہادری، اعلیٰ صفات اور تمام تر خوبیوں کے باوجود یہ کردار اتنا سپاٹ اور خشک ہے کہ پڑھنے والا جلد ہی کیپٹن حمید اور قاسم کی جانب راہ فرار اختیار کر لیتا ہے۔

علی عمران ... قوس قزح کے سات رنگوں، یعنی خود عمران، جوزف، سلیمان، جولیا، صفدر، سنگ ہی اور تھریسیا



میں سب سے گہرے اور دلآویز رنگ کا نام ہے۔ عمران کے پاس کو ڈگریوں کی فوج ہے مگر اس کے باوجود وہ حماقتوں میں مبتلا نظر آتا ہے۔ اور اپنی انہی تمام تر حماقتوں اور معصومیت کے ساتھ وہ یوں جلوہ گر ہوتا ہے کہ سلیمان ہو یا سر سلطان، سبھی اس خبطی اور ازلی بیوقوف کے گرویدہ نظر آتے ہیں۔

ابن صفی کے ان ہی دو معروف کرداروں کے گرد ان کے تمام جاسوسی ناول بنے گئے ہیں۔

اور انہی دو لازوال کرداروں کے ساتھ بے شمار ایسے مزید کردار ہیں، جن کے نام بھی ہمیشہ کے لیے ابن صفی کے ناولوں سے مربوط ہو گئے ہیں۔

ابن صفی کے جاسوسی ناولوں میں پائے جانے والے تمام چھوٹے بڑے ناموں کو یہاں محفوظ کیا جا رہا ہے تاکہ ایک قسم کا ریکارڈ بن جائے اور (کبھی مستقبل میں) ان کرداروں پر تحقیق کرنے والوں کو آسانی مہیا ہو۔

ابن صفی کی جس بات سے میں سب سے زیادہ متاثر ہوں، وہ یہ ہے کہ ان کے کردار فریدی اور عمران کبھی کسی عورت کی جانب نگاہ بد پھیرتے ہوئے دکھائی نہیں دیتے۔ ابن صفی کے جاسوسی ناول کی جاسوسی ادب میں اس لحاظ سے انوکھی حیثیت ہے کہ اس میں ایک مشن یا مقصد موجود ہے۔ اس لیے اسے محض تفریحی ادب نہیں کہا جا سکتا۔ ان کے جاسوسی ناولوں میں فکری و ذہنی تربیت بھی پوری طرح موجود ہوتی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی نے ابن صفی کو یوں خراج تحسین پیش کی "میں نے کبھی ابن صفی کے ناولوں کو کتابوں کے درمیان چھپا کر نہیں رکھا۔ ہمارے انٹلکچو ئل اسے ایک سب اسٹینڈرڈ مواد گردانتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی ابن صفی کے تخلیقی ذہن کا مقابلہ نہیں کر سکتا، کوئی مجھ سے پوچھتا ہے کہ آپ ابن صفی کے ناول کیوں پڑھتے ہیں" تو میں جواب دیتا ہوں، "کیونکہ ابن صفی ہمارے کئی ناول نگاروں سے بہتر زبان لکھتے ہیں۔"

جب محمد حسن عسکری نے یہ شکایت کی کہ اردو نثر کا فن زوال پذیر ہے اور کوئی اچھی زبان نہیں لکھ رہا ہے تو میں نے انھیں ابن صفی کی جاسوسی دنیا کا ایک ناول پڑھنے کو دیا۔ اس کے بعد وہ ہر ماہ پوچھتے تھے "کشفی صاحب! ابن صفی کا نیا ناول آ گیا؟"

ابن صفی کے دور میں لوگوں میں جاسوسی دنیا کے ناولز پڑھنے کا رجحان بڑھ گیا تھا انکی لکھی کہانیوں کا لوگ بے چینی سے انتظار کیا کرتے تھے کہ کب مارکیٹ میں ان کی کوئی نئی کہانی آئے اور اسے لے کر پڑھا جائے اس زمانے میں لوگ ان کی کتابیں لائبریری سے کرائے پر لے کر یا کسی دوست سے مستعار لے کر بھی پڑھا کرتے تھے ایسی شہرت کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو ابن صفی کو نصیب ہوئی کہ ایک ہی رائیٹر کو ہر سوچ ہر مزاج ہر عمر کے لوگ ایک ہی وقت میں یکساں انداز میں پسند کریں

اور پڑھیں ان کی ہر تحریر کو پڑھ کر بار بار پڑھنے کو دل چاہتا وہ یوں جیسے وہ ہی ہو ابن صفی کی سوچ نے ادب کو بڑا بہترین سرمایا دیا ہے کہ ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی ہر کردار زندہ و جاوید ہے۔

ابن صفی کی تعریف فنی مہارت کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا ابن صفی اپنی ذات میں ایک اکیڈمی کی حیثیت رکھتے ہیں جس سے تحریر نگاروں کو تحریر نگاری سیکھنے کا موقع ملا لازوال تحریروں کے خالق جن کی سدا بہار تخلیق آج بھی پڑھی اور پسند کی جاتی ہیں ان کے ہم عصروں نے ان کی زندگی میں ہی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کا انداز تحریر اپنایا اور آج بھی ان ہی کے انداز میں لکھ رہے ہیں یہ ابن صفی سے ان کی محبت کا ثبوت ہے یوں تو ابن صفی کی زندگی میں ہی ان کی تحریروں کے بہت سے نقالپیدا ہو گئے تھے۔لیکن ان کی وفات کے بعد چونکہ یہ خلاء پُر کرنا اور بھی ضروری ہو گیا ہے لہذا اکثر حضرات کی کوششیں خاصا زور پکڑ گئی ہیں۔

ابن صفی کا اصل نام اسرار احمد تھا۔آپ اردو ادب کے نامور ناول نگار اور شاعر تھے۔آپ کے تحریراتی کاموں میں جاسوسی دنیا اور عمران سرز شامل ہیں۔اس کے علاوہ آپ افسانے اور طنز و مزاح بھی لکھتے تھے۔ابن صفی 26 جولائی 1928 کو الہ آباد، اتر پردیش کے ایک گاؤں نارا میں صفی اللہ اور نذیراں بی بی کے گھر پیدا ہوئے۔اردو زبان کے شاعر نوح ناروی رشتے میں ابن صفی کے ماموں لگتے تھے۔ابن صفی نے ابتدائی تعلیم نارا کے پرائمری اسکول میں حاصل کی۔میٹرک ڈی اے وی اسکول الہ آباد سے کیا جبکہ انٹرمیڈیٹ کی تعلیم الہ آباد کے ایونگ کرسچن کالج سے

مکمل کی۔1947 میں الہ آباد یونیورسٹی میں بی اے میں داخلہ لیا۔

1951ء کے اواخر میں بے تکلف دوستوں کی محفل میں کسی نے کہا تھا کہ اردو میں صرف فحش نگاری ہی مقبولیت حاصل کر سکتی ہے۔ابن صفی نے اس بات سے اختلاف کیا اور کہا کہ کسی بھی لکھنے والے نے فحش نگاری کے اس سیلاب کو اپنی تحریر کے ذریعے روکنے کی کوشش ہی نہیں کی ہے۔اس پر دوستوں کا موقف تھا کہ جب تک بازار میں اس کا متبادل دستیاب نہیں ہوگا، لوگ یہی کچھ پڑھتے رہیں گے۔یہی وہ تاریخ ساز لمحہ تھا جب ابن صفی نے ایسا ادب تخلیق کرنے کی ٹھانی جو بہت جلد لاکھوں پڑھنے والوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔عباس حسینی کے مشورے سے اس کا نام جاسوسی دنیا قرار پایا اور ابن صفی کے قلمی نام سے انسپکٹر فریدی اور سارجنٹ حمید کے کرداروں پر مشتمل سلسلے کا آغاز ہو جس کا پہلا ناول دلیر مجرم مارچ 1952ء میں شائع ہوا۔

ناول بھیانک آدمی کو ماہنامہ جاسوسی دنیا نے نومبر 1955ء میں کراچی کے ساتھ ساتھ الہ آباد سے بیک وقت شائع کیا تھا۔اکتوبر 1957ء میں ابن صفی نے اسرار پبلیکیشنز کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کے تحت جاسوسی دنیا کا پہلا ناول ٹھنڈی آگ شائع ہوا۔1958ء میں ابن صفی، لالوکھیت سے کراچی کے علاقے ناظم آباد منتقل ہو گئے۔جنوری 1959ء میں ابن صفی اسرار پبلیکیشنز کو فردوس کالونی منتقل کر چکے تھے اور یوں انھیں اپنی تخلیقات کو پروان چڑھانے کے لیے ایک آرام دہ ماحول میسر آ گیا۔ناظم آباد کی رہائش گاہ میں وہ 1980ء میں اپنے انتقال تک مقیم رہے۔

ابن صفی کی لازوال تحریروں میں سے کچھ اقتباس آپ کے ذوق کی تسکین کے لئے پیش خدمت ہیں

یہ میری لاش ہے، یہ تمہاری لاش ہے، یہ ساری دنیا کی لاش ہے، میرے خدا میں کیا کروں، میں کیا کروں، میرے مالک تو نے مجھے سڑے ہوئے کیچڑ سے بنایا تھا، لیکن میں غرور سے تن گیا، تو نے مجھے زمین پر پھینکا تھا مگر میں ہر وقت آسمان پر رہتا ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ تم کتے ہو، بلکہ کتا بھی تم سے بہتر ہے، کیونکہ وہ اس گھر کا بدخواہ نہیں ہوتا جس میں رہتا ہے، چاہے اس گھر کا کوئی فرد اس پر رات دن پتھر ہی کیوں نہ برساتا ہو۔

ابن صفی۔عمران سیریز۔درائی کا پربت

ابن صفی اپنے ایک ناول "پیاسا سمندر" میں لکھتے ہیں:

"آدمی کتنا پیاسا ہے، اور کس طرح اسکی پیاس بڑھتی رہتی ہے، اور کس طرح وہ خوارج میں اپنے لئے تسکین اور آسودگی تلاش کرتا ہے، مگر کیا کبھی بھی اسے تسکین نصیب ہوتی ہے؟ کبھی آسودگی ملتی ہے؟ مگر وہ بالکل کسی سمندر ہی کی موج در موج آگے بڑھتا چلا جاتا ہے، کبھی چٹانوں کو کاٹتا ہے، کبھی پہاڑوں میں رخنے کر کے اکھڑے پرخچے اڑا دیتا ہے، اپنی بے کلی کی وجہ وہ خود ہے، اور اپنی تسکین کا سامان بھی اپنے دامن میں رکھتا ہے، مگر وہ دوسروں کی پیاس تو بجھا دیتا ہے، خود اپنی پیاس بجھانے کا سلیقہ نہیں رکھتا۔۔۔۔۔تم اسے پیاسا سمندر کہہ سکتی ہو بے بی۔۔۔۔۔ جو پانی ہی پانی رکھنے کے باوجود بھی ازل سے پیاسا ہے۔۔۔۔اور اس وقت تک پیاسا رہے گا جب تک کہ اسے اپنا عرفان نہ ہو جائے۔

☆☆☆☆

گفتگو

مشہور و معروف مصنف

جناب محترم محمود ظفر اقبال ہاشمی

ادب سے واسطہ جس شخصیت کو آج ہم آپ سے متعارف کروانے جا رہیں ان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے ان کے حلقہ احباب سے ان کی شہرت اور قدر کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے نہایت ہی شفیق انسان ہیں اسی لئے ان کے حلقہ احباب میں شامل لوگ ان کو "بابا" کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ سر محمود ظفر ہاشمی نے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

انیس سو نوے کے اوائل میں فکر معاش کے لئے سعودی عرب چلے گئے اور آج تک وہیں مقیم ہیں۔

سر محمود ظفر ہاشمی سے میرا پہلا تعارف ان کے ناول کے ایک جملے سے ہوا یہ وہ جملہ تھا جو مجھے اس جملے کے لکھنے والے تخلیق کار کی کھوج تک لے گیا اور اسی کھوج نے مجھے ایک اچھے لکھاری سے ملوایا۔ آیئے ہم سب مل کر انہی کی زبانی ان کے بارے میں جانتے ہیں:

☆ **قلم کی روشنی:** سر وہ کیا سوچ تھی کیا کشش تھی جس نے آپ سے بے انتہا خوبصورت الفاظ سے گندھے ناولز لکھوائے؟

محمود ظفر ہاشمی: صرف اور صرف محبت۔۔۔۔ محبت دنیا کا طاقتور ترین جذبہ ہے۔ اس میں اتنی کشش اور طاقت ہوتی ہے کہ یہ انسان سے پہاڑ کھدوا سکتا ہے، کچے گھڑے پر دریا پار کروا سکتا ہے، کسی انسان کو تمام عمر پارسا رکھ سکتا ہے۔ انسان کو توحید کے معنی سمجھا سکتا ہے۔ میں نے اپنے تمام ناولز اپنے قلم میں محبت کی روشنائی بھر کر لکھے۔ محبت نہ ہوتی تو ایک حرف نہ لکھ پاتا!

☆ **قلم کی روشنی:** آپ کے ناولز کے کردار آپس میں یوں جڑے محسوس ہوتے ہیں جیسے ساز سے سُر اور سُر سے تال کہانی کے کرداروں کا یہ تال میل آپ نے کہاں سے سیکھا؟

محمود ظفر ہاشمی: کہیں سے نہیں۔۔۔۔ میرا خیال ہے کہ یہ آپ مکمل طور پر کہیں سے سیکھ نہیں سکتے، جو آپ کی ہارڈ ڈسک میں یہ سافٹ ویئر ڈال کر آپ کو اس دنیا میں بھیجتا ہے وہ باقی تکنیکی اسرار و رموز بھی سیکھنے کا بندوبست فرما دیتا ہے۔ اصل شے توازن ہے جو کائنات کے ہر عنصر کی طرح سب سے پہلے ناول نگار کے اپنے اندر ہونا بہت ضروری ہے۔ تبھی وہ اس توازن کی مدد سے اپنے کردار تخلیق کر پائے گا۔ کردار اور کہانی میں سُر اور لے اور زیرو بم کا سا تال میل ہونا بے حد ضروری ہے۔

☆ **قلم کی روشنی:** وہ کونسا لمحہ تھا جس نے آپ کو یہ احساس دلایا کہ آپ ایک بہترین لکھاری بن سکتے ہیں؟

محمود ظفر ہاشمی: بہترین لکھاری کوئی نہیں ہوتا۔ بہترین لکھاری صرف وہ ہے جو ہماری تقدیریں لکھتا ہے میں تو ابھی تک قلم تھامنا سیکھ رہا ہوں، ادب کا طفل مکتب ہوں، علم و ادب سیکھنے کی امتحان گاہ میں بیٹھا ہوں اور دعا ہے کہ یہ امتحان کبھی پاس نہیں کر سکوں ورنہ سیکھنے کا عمل رک جائے گا!

☆ **قلم کی روشنی:** ایک اچھی تحریر لکھنے کے لئے کیا ضروری ہوتا ہے مطالعہ مشاہدہ یا ایک اچھا پلاٹ؟

محمود ظفر ہاشمی: میرے خیال میں سب سے زیادہ ضروری خداداد صلاحیت ہے۔۔۔۔ باقی سب کچھ اس کے بعد آتا ہے جس میں مطالعہ اور قوتِ مشاہدہ سب سے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ اچھی تحریر وہ ہے جسے پلان کر کے لکھا جائے، پلاٹ، کردار، مقصدیت اور اسلوب لکھنا شروع کرنے سے پہلے کے ضروری کام ہیں۔ ابتدائیہ، درمیانیہ اور اختتامیہ کا بہترین تناسب اور توازن بھی لکھنے سے پہلے طے کرنا چاہئیں۔ ایسا نہ ہو تو اکثر کہانی انگلی چھڑوا کر لکھاری کے آگے آگے چلنے لگتی ہے اور پھر ہاتھ نہیں آتی!

☆ **قلم کی روشنی:** میر سے میر کے والد صاحب نے کہا تھا اگر شاعری میں درد پیدا کرنا ہو تو عشق کرنا کیا ایک ناول نگار کے لئے بھی اپنی تحریروں میں محبت کے صحیح رنگ کو دکھانے کے لئے محبت کرنا لازمی ہے؟

محمود ظفر ہاشمی: اس کا مطلب ہے میر کے والد میر سے زیادہ سیانے اور جہاندیدہ تھے ورنہ میر کو یہ بات اپنے والد سے سیکھنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ باقی اس سوال کا تفصیلی جواب میں سوال نمبر ایک میں دے چکا ہوں۔

☆ **قلم کی روشنی:** کہا جاتا ہے کہ شاعر عاشق مزاج ہوتے ہیں کیا یہی بات ایک لکھاری کے لئے بھی کہی جا سکتی ہے؟

محمود ظفر ہاشمی: لکھاری کا کیا قصور ہے جو انہیں اس اعزاز سے محروم کیا جائے۔ نثر شاعری کی طرح ایک صنف ہے اور محبت ہر ہنر اور فن میں اوجِ کمال کا اصل ماخذ ہوا کرتی ہے!

☆ **قلم کی روشنی:** کہا جاتا ہے جس سے شدید محبت ہو اسی سے کبھی کبھی نفرت بھی کرنے لگتے ہیں کیا یہ درست ہے کہ شدید نفرت کے پیچھے بے پناہ محبت چھپی ہوتی ہے؟

محمود ظفر ہاشمی: نفرت ایک ردِ عمل سے زیادہ کوئی وجود نہیں رکھتی۔ نفرت بھی تب ہوتی ہے جب کسی کو محبت نصیب نہ ہو یا پھر محبت میں دھوکہ ہوا ہو۔۔۔۔ جو بھی کچھ ہے محبت کا پھیلاؤ ہے!

☆ **قلم کی روشنی:** عروج و زوال میں کیا چیز کومن ہے؟

محمود ظفر ہاشمی: دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں سو دونوں میں جو قدر مشترک ہے وہ سکہ ہے۔ ہر عروج کو زوال ہے اور ہر زوال کے بعد عروج ہے۔ زندگی اور موت، دن اور رات، بہار اور خزاں اس فلسفہ کی بہترین مثالیں ہیں!

☆ **قلم کی روشنی:** بے انتہا شہرت سے پہلے کیا ہوتا ہے؟

محمود ظفر ہاشمی: شہرت کا انتظار اور اس تک کیا جانے والا کٹھن سفر۔۔۔ مگر اصل امتحان شہرت ملنے کے بعد ہی شروع ہوتا ہے!

☆ **قلم کی روشنی:** گمنامی اور شہرت کا یہ سفر آپ نے کیسے طے کیا؟

محمود ظفر ہاشمی: میں ان چیزوں سے اپنے آپ کو ماورا سمجھتا ہوں اور نہ مجھے یہ خوش فہمی ہے کہ شہرت کی ہما میرے سر پر آ بیٹھی ہے۔ میرے نزدیک لفظ 'شہرت' کی تعریف بہت ہی ارفع ہے مثلاً فلاحی ادارے کا لفظ ذہن میں آتے ہی عبدالستار ایدھی کا نام خود بخود ذہن میں آ جائے، ساؤتھ افریقہ کا نام ذہن میں آتے ہی نیلسن منڈیلا، کشش ثقل کا ذکر آتے ہی نیوٹن، پاکستان اور لیڈرشپ کا سوچتے ہی قائداعظم وغیرہ!

☆ قلم کی روشنی: کہا جاتا ہے دوستوں کو پرکھنا نہیں چاہیے مگر زندگی میں اگر ایسا موقع آجائے کے آپ کو دوستوں کو پرکھنا پڑے تو آپ کن بنیادوں پر دوستوں کو پرکھیں گے؟

محمود ظفر ہاشمی: جو مشکل وقت میں میرے ساتھ رہا وہی میرے سچے دوست ہونے کی واحد پرکھ ہوگی۔ اس معاملے میں میں بہت خوش قسمت ہوں۔

☆ قلم کی روشنی۔ اگر کسی کی کوئی بات طبع نازک پر گراں گزرے تو آپ کا پہلا ری ایکشن کیا ہوتا ہے؟

محمود ظفر ہاشمی: چیخنے چلانے کے علاوہ وہی ایکشن ہوتا ہے جو ایک نارمل شخص کا ہوتا ہے۔

☆ قلم کی روشنی۔ آپ نے زندگی کو کیسا پایا؟

محمود ظفر ہاشمی: اس کا جواب زندگی جتنا طویل بھی ہو سکتا ہے اور زندگی جتنا مختصر بھی۔۔۔ مختصراً اپنی شریک حیات افزا تو تیر جیسا!

☆ قلم کی روشنی۔ کہتے ہیں زندگی کھونے اور پانے کا نام ہیں تو یہ بتایئے زندگی میں کھو دینے کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے یا پالینے کی خوشی؟

محمود ظفر ہاشمی: کھو دینے کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لئے حضرت واصف نے کہا تھا کہ جہاں غم پہنچتا ہے عبادت وہاں نہیں پہنچاتی۔۔۔ پالینے کی خوشی بہت مختصر ہوتی ہے۔ کچھ پالینے کے فوراً بعد ہم کچھ اور پالینے کے غم میں مبتلا ہو جاتے ہیں!

☆ قلم کی روشنی۔ کیا ایک تخلیق کار کے لئے دل کا گداز ہونا اہمیت رکھتا ہے؟

محمود ظفر ہاشمی: یہاں پہلے لفظ 'گداز' پر غور کرنا ضروری ہے۔ اس کا مطلب ہے نرم اور ملائم ہونا، جس میں سوز بھی ہو اور ساز بھی، درد بھی ہو اور محبت بھی۔۔۔ جب دل ان کے بغیر کچھ نہیں تو تخلیق کا اس کے بغیر کیا وجود کہ تخلیق صرف اور صرف دل کی تحریک پر وجود پاتی ہے۔۔۔ دماغ تو بہت بعد میں آتا ہے!

قلم کی روشنی۔ بحیثیت لکھاری آپ خود کو کن لکھاریوں کی صف میں کھڑا دیکھتے ہیں؟

محمود ظفر ہاشمی: ان نو آموز لکھنے والوں کے گروہ میں جو سب سے پچھلی صف میں کھڑے ادب کے روشن مناروں کو رشک بھری نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ایک دن ان جیسا لکھنے اور بننے کی چاہ رکھتے ہیں۔ ہنوز دلی دور است!

قلم کی روشنی۔ کہانیاں لکھتے وقت آپ کہانیاں اردگرد کے ماحول سے لیتے ہیں؟ یا یہ آپ کے تخلیقات کی دنیا سے آپ کے ذہن میں اترتی ہیں؟

محمود ظفر ہاشمی: دوسرے لکھنے والے شاید کہانیاں باہر سے لیتے ہیں مگر میں کہانیاں اور اس کے سب کردار صرف اور صرف اپنے اندر سے لیتا ہوں۔۔۔ میرے اندر ان گنت کہانیاں رنگ برنگے لباس پہنے گھومتی رہتی ہیں۔ کم از کم سات منفرد کہانیاں ایسی ہیں جو منصۂ شہود پر تو اتر چکی ہیں صرف قرطاس پر نہیں اتریں!

قلم کی روشنی۔ کسی بھی کہانی یا اس کے کردار کو لکھتے وقت ایک تخلیق کار کے ذہن میں کیا سوچ ہونی چاہیئے؟

محمود ظفر ہاشمی: صرف یہ کہ اسے تخلیق کرتے ہوئے توازن کیسے برقرار رکھنا ہے۔ کہانی اور کردار تخلیق کرتے ہوئے لکھنے والے کو دو پہاڑوں کے بیچ ہزاروں فٹ بلند تنے ہوئے رسے پر توازن رکھنے والے بانس کے بغیر چلنا ہوتا ہے!

قلم کی روشنی۔ ایک اچھے تخلیق کار کو کہانی لکھتے وقت کن چیزوں پر فوکس کرنا چاہیئے؟

محمود ظفر ہاشمی: کہانی کا حجم ۵۲ فیصد ابتدائیہ وتعارف، ۵۰ فیصد واقعات اور مشکلات کی بُنت، ۵۲ فیصد اختتامیہ پر مشتمل ہونا چاہیے۔ لکھنے سے پہلے کہانی اور تمام کرداروں کا خلاصہ ضرور لکھنا چاہیے۔ باقی کام آپ کی خداداد صلاحیت، قوتِ مشاہدہ، اسلوب اور مقصدیت کا ہوتا ہے!

قلم کی روشنی۔۔ دماغ کے اسکرین پر اچھے خیالات کی آماجگاہ ہو تو ان الفاظ کو ایک اچھی کہانی کے روپ میں کیسے ڈھالا جائے؟

محمود ظفر ہاشمی: اوپر والے سوال میں اس کا جواب موجود ہے۔

قلم کی روشنی۔ کیا ایک اچھے انسان کا حساس ہونا ضروری ہوتا ہے؟ آپ کی نظر میں اچھے انسان میں کیا اوصاف ہونے چاہئیں؟

محمود ظفر ہاشمی: جو انسان تنہائی میں بھی اتنا ہی اچھا ہو جتنا لوگوں کے ہجوم میں وہی سب سے اچھا انسان ہوتا ہے۔۔۔ اور یہ مشکل ترین کام ہے۔ باقی جو کچھ بچتا ہے وہ سب کتابی باتیں ہیں!

قلم کی روشنی۔ اگر آپ مصنف کی بجائے شاعر ہوتے تو کیا تب بھی آپ کے چاہنے والے آپ کو بابا کے نام سے پکارتے؟

محمود ظفر ہاشمی: بابا کا تعلق شاعر یا لکھاری ہونے سے نہیں بلکہ بزرگی سے ہے۔ یہ چار حرفی لفظ "بابا" مجھے چار بزرگوں کا مجموعہ لگتا ہے۔۔۔ پہاڑ، آسمان، جنگل اور سمندر۔۔۔ اس 'بابا' نامی لفظ اور رشتے میں پہاڑوں جیسی بلندی، آسمان جیسی وسعت، جنگل جیسا گھنا پن اور سمندر جیسی گہرائی ہوتی ہے۔

قلم کی روشنی۔۔ آپ کے چاہنے والے آپ کو بابا کیوں کہتے ہیں؟

محمود ظفر ہاشمی: میرے چاہنے والے جو بھی سمجھ کر مجھے بابا کہتے ہوں میں درج بالا جواب کی بنا پر بابا کہلوانا پسند کرتا ہوں!

قلم کی روشنی۔ ہمارے شعراء کی شاعری میں محبوب کی بے وفائی کا رنگ کیوں اتنا نمایاں ہوتا؟

محمود ظفر ہاشمی: کیونکہ بے وفائی انہیں وہ درد عطا کرتی ہے جو اثر رکھنے والی شاعری تخلیق کرنے کا سبب بنتی ہے۔۔۔ ساغر، میر، عدم، ساحر، پروین شاکر اور ناصر کاظمی اس کی چند مثالیں ہیں۔

قلم کی روشنی۔۔ کہا جاتا ہے کے شاعر جب تک دل پر چوٹ نہ کھائے اس کی شاعری میں پختگی نہیں آتی کیا آپ اس بات سے متفق ہیں اور کیا یہی بات ایک ناول نگار کے لئے بھی کہی جا سکتی ہے؟

محمود ظفر ہاشمی: میرے خیال میں نہیں۔۔۔ ناول نگاری میں سب موسموں کی اہمیت یکساں طور پر اہم ہیں۔ ناول شاعری کی طرح ایک شعر یا قطعہ سے چودہ مصرعوں والی غزل جیسا مختصر سفر یا ایک موسم نہیں۔ یہ تو سالوں اور زمانوں پر پھیلا سلسلہ ہوتا ہے۔ اس کا کینوس بہت بڑا ہوتا ہے!

قلم کی روشنی۔۔۔ادب کے فروغ کے لئے آپ کس حد تک ادب کی خدمت کرنے میں کامیاب ہو سکے ہیں اب تک؟

محمود ظفر ہاشمی: سمندر میں اپنے حصے کا صرف ایک لوٹا پانی!

قلم کی روشنی۔ آپ کی وہ کونسی دل چھو لینے والی کہانی ہے جسے لکھنے کے بعد خود آپ کی آنکھوں سے اشک رواں ہوئے؟

محمود ظفر ہاشمی: سفید گلاب۔۔۔ آنے والے ناولز میں 'شاخسار'، 'زرد جھیل کا چاند' اور 'اسی کائنات میں کسی جگہ' آنسو بھرے ناولز ہیں!

قلم کی روشنی۔ کیا تمام لکھاری حق قلم بخوبی ادا کر رہے ہیں یا اس میں کچھ کمی ہے ابھی؟

محمود ظفر ہاشمی: عصر حاضر میں عمیرہ سے اچھا اللہ کو، نمرہ سے اچھا قرآن کو، ہاشم ندیم سے اچھا زندگی کو اور فرحت اشتیاق سے اچھا محبت کو کون بیان کر سکتا ہے۔۔۔ سب نے اپنا حصہ بہت خوب ڈالا ہے!

قلم کی روشنی: آپ کا ماننا ہے کہ عصر حاضر میں عمیرہ سے اچھا اللہ کو، نمرہ سے اچھا قرآن کو، ہاشم ندیم سے اچھا زندگی کو اور فرحت اشتیاق سے اچھا محبت کو کون بیان کر سکتا ہے تو سر میرا سوال یہ ہے کہ آپ سے اچھا۔۔۔۔۔۔۔۔ کو(آپ اپنی تحریر میں کیا چیز سب سے اچھے انداز میں بیان کرتے ہیں؟)

محمود ظفر ہاشمی: میرا عمیرہ، نمرہ، ہاشم اور فرحت سے کوئی مقابلہ نہیں۔۔۔ یہ چاروں بہت بڑے ناول نگار ہیں!

قلم کی روشنی: سر آپ کا یہ جواب سن کر آپ کے سب لمحز تے اٹھ کھڑے ہوتا ہے کیونکہ ہماری نظر میں آپ جیسے عظیم لکھاری روز روز دنیا میں نہیں آتے اور آپ بھی بڑے لکھاری ہیں۔

محمود ظفر ہاشمی: ان چاروں سے میرا ذاتی تعلق ہے اور مجھے ان چاروں سے جتنی محبت ہے اتنی ہی عقیدت بھی!

قلم کی روشنی: سر ایسی ہی محبت اور عقیدت آپ کے لمحز بھی آپ سے رکھتے ہیں۔

محمود ظفر ہاشمی: یہ ان کی محبت ہے مگر بات تقابلی جائزے کی ہو رہی تھی

قلم کی روشنی: اگر آپ سے کہا جائے کہ آپ کسی سیاست دان کی زندگی پر کہانی لکھیں تو آپ کونسے سیاست دان پر کہانی لکھنا پسند کریں گے؟

محمود ظفر ہاشمی: عمران خان پر!

قلم کی روشنی: واؤ سر عمران خان پر کہانی لکھنے کی کوئی خاص وجہ؟؟

محمود ظفر ہاشمی: عمران خان سے محبت!

قلم کی روشنی: سر عمران خان سے محبت کی وجہ؟

محمود ظفر ہاشمی: محبت کی کوئی وجہ نہیں ہوتی!

قلم کی روشنی: سر عمران خان سے محبت ریزن ایبل ہو سکتی ہے؟

محمود ظفر ہاشمی: وہی پہلے والا جواب کہ محبت کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔

قلم کی روشنی۔ آپ کی لکھی کہانی کا وہ کونسا کردار ہے جسے آپ حقیقی زندگی میں دیکھنے کی خواہش مند ہیں؟

محمود ظفر ہاشمی: مریم سلمان کا کردار۔۔۔ایسے کرداروں کی اصل دنیا میں شدید ضرورت ہے!

قلم کی روشنی۔ آپ کی وہ کونسی خواہش ہے جو آپ چاہتے ہیں کہ پوری ہیں؟

محمود ظفر ہاشمی: ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔۔۔ پاکستان دنیا کا مثالی ترین ملک ہو۔۔۔ جناح جیسا لیڈر پھر سے نصیب ہو، دنیا میں کوئی اسلحہ نہ ہو۔۔۔ سب اسلامی ممالک متحد ہوں اور ہمارا بھی یورپی یونین کی طرح اپنی ایک فوج، اپنا ایک سکہ ہو، اپنی ایک پارلیمنٹ اور اپنا ایک بنک ہو۔۔۔ مرنے سے پہلے اپنے تمام گیارہ ناول دنیا کو دے کر جاؤں۔۔۔ اور بھی کئی ایک!

قلم کی روشنی۔۔۔ کونسے رائٹر کو پڑھ کر آپ کو لگتا ہے کہ اس نے قلم کا حق ادا کر دیا ہے؟

محمود ظفر ہاشمی: بابا اشفاق احمد، احمد ندیم قاسمی اور عمیرہ احمد

قلم کی روشنی۔ وہ کونسی کتاب ہے جو بار بار آپ نے پڑھی ہے آپ کونسی کتب اور رسائل پڑھنا پسند کرتے ہیں؟

محمود ظفر ہاشمی: صرف قرآن پاک ہی وہ واحد کتاب ہے جسے جتنی بار ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ پڑھا جائے ہر بار ہدایت اور آگہی کے نئے در کھلتے ہیں۔ عمیرہ احمد کے الف کتاب سے منسلک ہوں سو یہ واحد میگزین ہے جو آج کل زیر مطالعہ رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اچھا ملکی اور غیر ملکی ادب!

قلم کی روشنی۔ آپ کی نظر میں کامیاب زندگی گزارنے کے سنہرے اصول کیا ہیں؟

محمود ظفر ہاشمی: اپنے آپ سے سچ بولنا اور اللہ سے گفتگو سیکھیں، زندگی میں نئے رنگ شامل ہونے لگیں گے!

قلم کی روشنی۔ آپ کی نظر میں محبت کی کیا حقیقت ہے؟

محمود ظفر ہاشمی: خدا کا پرتو، زیست کا حاصل اور دنیا کا طاقتور ترین ہتھیار!

قلم کی روشنی۔ وہ کونسی دعا ہے جو آپ کے لبوں پر ہر دم رہتی ہے؟

محمود ظفر ہاشمی: ہر دم تو نہیں کہہ سکتا مگر اکثر یہ دو دعائیں۔۔۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔۔۔ وتعز من تشاء وتذل من تشاء!

قلم کی روشنی۔۔۔ وہ کونسا سفر ہے جس پر جانے سے آپ ڈرتے ہیں؟

محمود ظفر ہاشمی: آخری سفر سمیت کوئی ایک بھی نہیں۔۔۔ سفر کو سچے دل سے وسیلہ ظفر سمجھتا ہوں!

قلم کی روشنی۔ آپ کے نزدیک زندگی کی مختصر تعریف کیا ہے؟

محمود ظفر ہاشمی: بندگی!

قلم کی روشنی۔ کونسی چیز ہے جو آپ کو متاثر کرتی ہے؟

محمود ظفر ہاشمی: صرف محبت!

قلم کی روشنی۔ آپ کے خیال میں ہماری نئی جنریشن کی کس حد تک ادب میں دلچسپی ہے؟

محمود ظفر ہاشمی: اچھا ادب ایک خوشبو ہے اور خوشبو اپنے راستہ اور اپنا مسکن خود بناتی ہے۔ اچھا ادب ہمیشہ زندہ رہنے والی چیز ہے اسے وقت، زمانہ اور ترقی کبھی نہیں پچھاڑ سکتے۔ آج بھی نئی نسل شیکسپیئر، ڈکنز، بیدی، احمد ندیم قاسمی، چیخوف، موپساں، تالستائے اور جین آسٹن کو ساری دنیا اتنی ہی محبت سے پڑھ اور سراہ رہی ہے۔ پاکستان میں نوجوان فیس بک پر ہی سہی مگر اچھے ادب کو جلد یا بدیر ضرور پڑھتے ہیں!

قلم کی روشنی۔ ایک کامیاب زندگی گزارنے کے لئے انسان کا سمجھدار ہونا ضروری ہے یا معاملہ فہم ہونا؟

محمود ظفر ہاشمی: صرف سمجھدار لوگ ہی معاملہ فہم ہوتے ہیں لہذا دونوں!

قلم کی روشنی۔ کیا کبھی ایسا ہوا کے آپ کوئی کہانی لکھنے لگے ہوں اور الفاظ کہیں کھو گئے ہوں؟

محمود ظفر ہاشمی: آرمی پبلک سکول کے واقعہ کے بعد بہت دنوں تک نہیں لکھ سکا۔۔۔ یہ واقعہ یاد آ جائے تو آج بھی قلم کا آسفر موقوف ہو جاتا ہے۔۔۔ لفظ ذہن کی دہلیز پر نہیں اترتے!

قلم کی روشنی۔ کہانی لکھنے سے پہلے آپ ذہن میں کہانی کا پلاٹ ترتیب دیتے ہیں یا نہیں؟

محمود ظفر ہاشمی: کہانی/ناول کو ہمیشہ پراجیکٹ کی طرح پلان کر کے لکھتا ہوں۔ پلاٹ کی تعمیر (واقعات کی ظہور پذیری اور ترتیب) کے بغیر اچھی تحریر معرض وجود میں نہیں آ سکتی۔ یہ بالکل ایسا ہے کہ آپ نقشہ بنائے اور منظور کروائے بغیر مکان تعمیر کرنے کی ٹھان لیں!

قلم کی روشنی۔ آپ کے قلم کی کاغذ سے دوستی کب اور کیسے ہوئی؟

محمود ظفر ہاشمی: جب اظہار میرے اندر پھانس بننے لگا تب میرے دو یار قلم اور کاغذ میری مدد کو آئے۔ آج تک ساتھ ہیں اور یہ یاری دن بدن مضبوط ہوتی چلی جا رہی ہے!

قلم کی روشنی۔ آپ لکھنے کیلئے کیسا ماحول پسند کرتے ہیں؟

محمود ظفر ہاشمی: مرگ آسا خاموشی ہو تو میں اور میرا قلم زیادہ اچھا لکھتے بولتے ہیں!

قلم کی روشنی۔ سر خالد شریف نے اپنے آرٹیکل میں ذکر کیا ہے کہ آپ مصور بھی ہیں آپ کس طرح کی پینٹنگ کرتے ہیں؟

محمود ظفر ہاشمی: کبھی میں مصور تھا تب فطرت جو میرا محبوب ترین موضوع تھا کو برش کی زبان میں بیان کرتا تھا۔۔۔ پھر کینوس چھوٹا محسوس ہونے لگا تو اس برش نے قلم کا بھیس دھار لیا مگر موضوع ابھی بھی وہی ہے یعنی فطرت کے تمام عناصر (انسانوں سمیت) کی قلم کے ذریعے مصوری!

قلم کی روشنی۔ مصوری اور ناول نگاری میں کیا چیز مشترک ہے؟

محمود ظفر ہاشمی: محبت، سچائی، کینوس اور رنگ!

قلم کی روشنی۔ اگر آپ رائٹر نہ ہوتے تو کونسی فیلڈ میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منواتے؟

محمود ظفر ہاشمی: شاید مصوری میں!

قلم کی روشنی۔ انسان بے بس کب ہوتا ہے؟

محمود ظفر ہاشمی: جب بس نکل جائے یا دسترس میں نہ ہو!

قلم کی روشنی۔ زندگی ایک جہد مسلسل ہے کبھی کبھی انسان نا مساعد حالات کا شکار ہو کر پسپا ہونے لگتا ہے مایوسی کا شکار ہو کر خود کو نقصان بھی پہنچا لیتا ہے ایسے حالات میں جب بے بسی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو تو انسان کو کیا کرنا چاہیئے؟

محمود ظفر ہاشمی: تب انسان کو صرف خدا کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اس کے بعد زمین پر کوئی ایسا شخص ضرور ڈھونڈنا چاہیے جو ان حالات میں اس کے سامع اور ناصح کا کردار ادا کر سکے!

قلم کی روشنی۔ کیا صبح آئینہ آپ سے مخاطب ہوتا ہے؟

محمود ظفر ہاشمی: تیرے سوا مجھے دیکھے کون۔۔۔۔ میں تیرا آئینہ ہوں!

قلم کی روشنی۔۔ کیا چاندنی راتیں آپکو کوئی پیغام دیتی ہے کیا چاند اور چاندنی کا فسوں آپ پر چلتا ہے؟

محمود ظفر ہاشمی: جنھیں چاند اور چاندنی سے پیار ہوتا ہے وہ ہمیشہ اس جوڑے کے فسوں کا شکار رہتے ہیں۔ اور ایسے لوگ ہمیشہ سچے ہوتے ہیں۔ سفید گلاب میں اس سوال کا کافی تفصیلی جواب موجود ہے!

قلم کی روشنی۔ آپ عشنا سردار کوثر کے ساتھ ایک مشترکہ ناول لکھنے کا آغاز کر رہے ہیں۔ یہ خیال آپ کے ذہن میں کیسے آیا کہ ایک مشترکہ ناول لکھا جائے؟

محمود ظفر ہاشمی: یہ منفرد آئیڈیا عشنا کا تھا مگر بدقسمتی سے یہ پراجیکٹ ہم دونوں کی مصروفیات اور چند ناگزیر حالات و وجوہات کی بنا پر باہمی رضامندی کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا ہے!

قلم کی روشنی۔ ہماری نئی جنریشن اور نئے لکھنے والے لکھاریوں کے لیے کوئی میسج؟

محمود ظفر ہاشمی: کسی معروف لکھنے والے کی بجائے اچھے ادب اور کثیر مطالعہ کو اپنا استاد بنایئے۔ اگر آپ اپنے دل کے حال اور اپنے تخیل کو سطح قرطاس پر منتقل کر سکتے ہیں تو سمجھ لیجیے آپ پر اللہ کا خاص کرم ہے اور آپ ان چیدہ لوگوں میں سے ایک ہیں جو اوپر سے یہ صلاحیت لے کر اس دنیا میں آتے ہیں!

نئی نسل کو یہی کہوں گا کہ اپنی زندگی میں گفتگو کو تھوڑی جگہ اور دیں۔ زندگی virtual قطعاً نہیں ہے! (اختتام)

بہت طویل انٹرویو تھا کوشش کی کہ جوابات تفصیل سے دے سکوں!! اگر کہیں تشنگی محسوس ہو تو معذرت۔

☆ قلم کی روشنی: سر ہماری پوری ٹیم آپ کی بے حد ممنون ہے کہ آپ نے اپنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود اتنی طویل گفتگو کے لئے وقت نکالا اور اس دعا کے ساتھ ہم اجازت چاہیں گے اللہ پاک کو سلامت رکھے۔ فی امان اللہ۔

☆☆☆

بقیہ۔۔۔ آسان اور کارآمد ٹوٹکے

۲۔ برتن میں پانی اور سرکہ ڈال کر دس سے پندرہ منٹ ابال لیں پھر پانی پھینک کر دو کھانے کے چمچ بیکنگ سوڈا ڈال کر اسٹیل کے اسکریپر سے ہلکے ہاتھ سے رگڑیں ضرورت محسوس ہو تو اور بیکنگ سوڈا ڈال کر رگڑیں۔ آپ کا برتن صاف ہو جائے گا۔

۳۔ جلے ہوا اسٹیل کے برتن میں آدھا کپ پانی، آدھا کپ سرکہ ڈالیں اور Cream of tartar دو سے تین کھانے کے چمچ ڈال کر ایک ابال دیں۔ پھر آدھے گھنٹے کے بعد پانی پھینک کر مزید ایک سے دو چمچ بنا پانی ڈالے Cream of tartar ڈال کر اس کو اسٹیل کے اسکریپر سے رگڑ کر صاف کر لیں۔

۴۔ کوکا کولا داغ اتارنے کے لیے بہترین سیال ہے۔ جی بالکل صحیح پڑھا آپ نے۔ کوکا کولا کو جلے ہوئے پین پر انڈیلیں پھر اس کو چار سے پانچ منٹ تک ہلکی آنچ پر ابالیں پھر اسکریپر سے رگڑ کر صاف کر دیں۔

چلیں میں بھی جلے ہوئے برتن صاف کرتی ہوں ویسے دعا ہے کے آپ کے برتن جلنے سے محفوظ رہیں لیکن اگر اتفاق سے جل جائیں تو یہ ٹوٹکے استعمال کر کے ہمیں ضرور بتایئے گا کہ آپ کو کتنے کارآمد لگے۔

☆☆☆

آپ کی کالم نگاری

"بچوں کے ادب کا مستقبل"

کالم نگار: مریم جہانگیر

ایک شخص نے بیج تو بویا نہیں لیکن وہ روز گملے میں پانی دیتا اور تیز دھوپ میں گملے پر سبز جالی تان دیتا۔ اسکا انتظار ایسا تھا کہ معلوم ہوتا ابھی پھل لگے گا اور وہ بیٹھ کر کھائے گا۔ کچھ ایسی ہی مثال ہماری بھی ہے۔ ہم نسلِ نو سے امید رکھتے ہیں کہ وہ اردو پر مہارت رکھے، اس کے استعمال میں طاق ہو، ان کا مشاہدہ خوب ہو اور نظر تیز ہو، بصیرت میں ان کی جب تعریف کی جائے تو ان کی سیرت کے متعلق بھی تعریف کے ڈونگرے برسائے جائیں، لیکن مسئلہ وہی ہے کہ ہم نے بیج بویا ہی نہیں۔ عصرِ حاضر کے نونہالوں کو نہیں پتہ کہ بٹنوں کے ساتھ جفت طاق کیسے کھیلا جاتا ہے۔ ریزہ ریزہ سے ستارہ کیسے بنتا ہے اور دھاگے کے ساتھ مختلف اشکال کا کھیل کھیلا جاتا ہے۔ یہ کتابوں سے بھاگنے اور لفظوں کو نہ سمجھنے والے بچے ہیں، لیکن مسئلہ ان نونہالوں کا پیدا کردہ نہیں ہے۔ بلکہ اس مسئلے کی جڑوں کی نشوونما میں ہماری لاپرواہی کا پانی کلیدی کردار ادا کر رہا ہے۔ ہمارے ہاں اساتذہ کرام اردو کو بحیثیت مضمون پڑھاتے ہیں، بحیثیت زبان کوئی بھی اس کو سکھنے کو تیار نہیں۔ بس کسی طرح اچھے نمبروں تک کی تیاری ہو جاتی ہے کہ مجموعی گریڈ اچھا آ جائے۔ اس سے زیادہ پڑھنے، پڑھانے کی ضرورت نہ بچے محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی اساتذہ۔ اردو زبان کی گرامر سمجھنے کی چنداں کوشش نہیں کی جاتی۔ اس لئے اردو کے انشائیہ پرچے مجموعہ لطائف بنے ہوتے ہیں۔ گھر میں دادی نانی کے پاس اتنا وقت ضرور ہے کہ وہ دور پار کے رشتے دار کی غیبت کریں یا کمپیوٹر پر ان رشتہ داروں کی تصاویر دیکھیں، لیکن کہانی سنانے کی رسمیں جدید زمانے کی بنیادوں میں پڑی سسک رہی ہیں۔

اگر بات بچوں کے اردو رسائل کی ہو تو وہ بھی چپقلش و رنجش کا شکار نظر آتے ہیں۔ کہانیاں یوں چھاپتے ہیں جیسے احسان کر رہے ہوں۔۔۔ جو کچھ بہتر رسائل ہیں انھوں نے اپنے لکھنے والے محدود کر لئے ہیں۔ نئے لکھنے والوں کو اچھی تحریر کے باوجود عرصہ دراز تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی خود کو کسی قابل سمجھتا ہے تو صرف تنقید کرتا ہے اور اصلاح سے مبرا نظر آتا ہے۔ اگر کسی نئے لکھنے والے کو ذرا سا کچوکا لگے تو وہ بھی یہ سمجھتا ہے کہ دریا کے پرانے مگرمچھ اس کی آمد سے خائف ہو گئے ہیں۔ سوشل میڈیا کی مدد سے بہت سے مقابلوں کا انعقاد یقینی بنایا گیا جو کہ مثبت پیش رفت ہے۔ لیکن ان مقابلہ جات کو منظم کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ بچوں کے ادب کے تحفظ کے لئے کاروانِ اطفال ادب بھی اپنا حصہ ڈالنے کی پوری کوشش کر رہا ہے۔ بچوں کے لئے لکھنے والے بچوں اور بڑوں کو توجہ کی ضرورت ہے۔ حکومت کو ان کے لئے وظائف اور حوصلہ افزائی کے لئے منظم سرگرمیاں وسیع پیمانے پر منعقد کرنی چاہیں۔ سکول کی لائبریری میں نئی اور اچھی کہانیوں کی شمولیت بھی بہت ضروری قدم ہے جو کہ سربراہان کو اٹھانا چاہیے۔ گھر کے ماحول میں بھی کتابوں کے لئے گنجائش نکالنے کی ضرورت ہے۔ جب تک ہم بیج نہیں بوئیں گے فصل کاٹنے کی تیاری کرنا دیوانے کا خواب ہی ہے جس کی کوئی تکمیل نہیں۔ نسلِ نو میں کچھ بننے کا حوصلہ ہی نہیں ہے، کیونکہ ان کو پڑھنے کی عادت جو نہیں ہے۔ ایک وقت تھا جب تندور سے آنے والی روٹی کے نیچے رکھا اخبار بھی چاٹ لیا جاتا تھا۔ ایک ڈبل روٹی خریدی جاتی تھی جس کے ساتھ کہانیوں کی چھوٹی سی کتاب مفت ملتی ہو۔ لیکن اب ویڈیو گیمز نے بچوں کو کتاب چھونے اور چکھنے کے سرور سے نا آشنا کر دیا ہے۔ وہ چاشنی جو صفحات سے خوشبو کی صورت ٹپکتی ہے اور ذہن کے نہاں خانوں پر دستک دے کر سوچ کے نئے در وا کر دیتی ہے، اس چاشنی سے انجان بچے جب ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہیں تو بڑوں کی ادبی باتیں اور سیاسی مباحثے انھیں بے مقصد لگتے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنی دلچسپی کا سامان سوشل میڈیا میں ڈھونڈتے ہیں، یہاں وہاں کیا ہو رہا ہے انھیں اس سے کوئی غرض نہیں۔۔۔ سعدی، لقمان کون تھے، انھیں کوئی پتہ نہیں اسلامی تاریخ ہو یا برصغیر میں مسلمانوں کی جدوجہد کا دور ہمارے بچوں کو ذرا سا خبر نہیں۔۔۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کتاب کو عام کیا جائے۔ نجی تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے بچوں کی اردو پر خصوصی توجہ دی جائے۔ اُردو ہماری زبان بھی ہے اور پہچان بھی ہماری ثقافت بھی اس سے جڑی ہے اور ہماری عظمت بھی اسی میں پوشیدہ ہے۔ کتاب بینی کو پھر سے پروان چڑھانے کی ضرورت ہے۔ کتابیں پڑھنا نیا مشغلہ نہیں ہے لیکن ہمیں اس کو نئے رجحان کی طرح توجہ دینا ہوگی۔

ہمیں اردو زبان کے لئے اپنے جذبات کو کاروان کی شکل دینی ہوگی۔ صرف کہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اپنے اردگرد پھر سے تحائف میں کتاب دینے کے رواج کو پروان چڑھانا ہوگا۔ ان مہکتے پھولوں کو بولتی کتابوں کا تحفہ دینا ہوگا۔ تاکہ ان کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت بڑھ سکے اور یہ دنیا کے کسی میدان میں پیچھے نہ رہیں۔ یہ دور مقابلے کا دور ہے۔ اگر ہم نے خود کو دوڑ میں شامل رکھنا ہے تو جدوجہد کرنی ہوگی۔ کیونکہ وقت کی رفتار بہت تیز ہے اور وہ ہمیں پیچھے چھوڑ جانے کے در پہ ہے۔ مئیں بذاتِ خود چھٹی جماعت سے بچوں کی کہانیوں میں اپنا حصہ ڈال رہی ہوں۔ ان میں سے بیشتر تو محفوظ بھی نہیں۔ لیکن جب باقاعدہ ادب کی دنیا میں دوبارہ قدم رکھا تو اس بات کو دل میں منظم کیا کہ مجھے کسی بھی اور کتاب کے منظرِ عام میں آنے سے پہلے بیج بونا ہے اور بچوں کی کہانیوں کی کتاب منظرِ عام پر لانی ہے۔ اس کتاب کا مقصد میری ذات کا اطمینان ہے۔ جس میں "ترسیل ہاؤس آف پبلی کیشنز" کا بہت بڑا کردار ہے۔ میرے تخیل کے وہ پھول جو مئیں نے بچپن سے چننے شروع کیے، انھیں ارشد بھائی کی مدد سے آپ کے سامنے کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اردو ادب کے لئے ان کا جذبہ خدمت قابلِ قدر اور ستائش ہے۔ مئیں اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب رہی اور میری تخیل کے پھولوں کی خوشبو آپ کو کیسی لگی، بتایئے گا ضرور۔ کتاب پندرہ جون سے مارکیٹ میں گہرے نیلے سرورق پر اردو کے نامور ناول نگار محمود ظفر اقبال ہاشمی کے

اظہار خیال کے ساتھ اور بچوں کی سبق آموز اور دلچسپ کہانیوں کے نام سے دستیاب ہوگی. کہنے والے کہتے ہیں کہ بچوں کی کہانیوں کی کتاب کون پڑھے گا کون خریدے گا لیکن اب یہ آپ بتائیں گے. کتاب سے بہتر تحفہ کیا ہوسکتا ہے آپ کے بچوں کی چھٹیوں کا بہترین مصرف ایک کہانیوں کی کتاب سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے. ضروری نہیں کہ میری ہی کتاب ہو. گزشتہ ماہ بھی اکتیس اوربچوں کی بچوں کی کہانیوں کی کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں سے بھی کوئی ہوسکتی ہے. اپنے اردگرد بسنے والے بچوں کے اذہان کا رخ بالٹیں. آپ پلٹ سکتے ہیں. ہمیں اپنی نسل کی تربیت کرنی ہے انہیں تجربے کی بھٹی سے گزارنے کے بجائے انہیں کہانیوں سے سمجھانا ہے کہ کس گھاٹ کا پانی کیسا ہے. اپنا کردار ادا کریں.

☆☆☆

خصوصی کالم : آزادی پاکستان"

ازقلم : محمد جواد خان: حویلیاں

تاریخ کے کچھ اوراق جو خون کے آنسوؤں سے لکھے گئے ان کو اگر پلٹ کر دیکھا جائے تو انسان انتہائی رنجش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ان ہی اوراق میں لفظ آزادی موجود ہے جس کو پاکستان میں آج صرف محض ایک لفظ سمجھا جا رہا ہے حالانکہ آزادی ۔۔۔ صرف الفاظ تک محدود رہنے والی چیز کا نام نہیں اور نہ ہی ایسا لقمہ کہ جو تیار کر کے ہمارے سامنے رکھ دیا جائے بلکہ اس کی بنیادیں قربانیوں سے بنائی جاتی ہیں، کہیں اعضاء انسانی سے مصالحہ اور کہیں خون و آنسوؤں سے ان بنیادوں کو تر کیا جاتا ہے تو تب جا کر آزادی ملتی ہے۔ آزادی کی قدر جاننی ہے تو جا کر کشمیر میں دیکھو کہ کیسے وہ ہر روز اپنوں کے لاشوں کو اٹھاتے ہیں ۔۔۔ جا کر شام میں بچوں کے بے گور و کفن لاشوں کو دیکھو ۔۔۔ جا کر فلسطین میں سرکٹی لاشوں کی طرف نظر ڈالو تو آزادی کی قدر و قیمت کا احساس ہوگا۔ سب کسی کو چھوڑ دے آیئے ۔۔۔!!! میں آپ کو پاکستان کی آزادی کی روداد سناتا ہوں جو ہمارے ایک صاحب نے ہم کو سنائی تھی جنہوں نے 10 سال کی عمر میں اپنے خاندان کے 30 افراد کے ساتھ بھارت سے پاکستان ہجرت کی مگر پاکستان میں پہنچے صرف 3 بندے) ۔۔۔ ان کو راستے میں کن کن مصائب کا سامنا کرنا پڑا وہ ان کی زبانی سنتے ہیں۔ "یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہم بھارت کے شہر گجرات کے ایک گاؤں میں رہتے تھے چونکہ ہمارے آباؤ اجداد زمین دار تھے اور گاؤں کے سرپنچ (نمبر دار) بھی، ہر وقت مہمانوں کا رش جن میں، مسلم و غیر مسلم اپنے مسائل لے کر آتے تھے اور اکثریت اُن میں مسلمانوں کی ہوتی تھی جن پر ہندوؤں و سکھوں نے ناجائز ظلم کیا ہوتا تھا۔ ہمارے آباؤ اجداد فیصلہ تو کر دیتے تھے مگر ہر وقت اس رنج والم میں مبتلا رہتے کہ کب مسلمانوں کو ان مصائب سے نجات ملے گی۔ خیر اللہ اللہ کرتے پاک و ہند کی تقسیم کے بعد ایک حصہ جس کا نام پاکستان ہے مسلمانوں کے لیے منتخب کر دیا گیا ۔۔۔ یہ اعلان و تقسیم کے بعد ہر مسلمان نے سکھ کا سانس لیا کہ اب ہمارا اپنا ایک ملک ہوگا جس میں ہم دین اسلام کے مطابق اپنی زندگیاں سکون سے گزاریں گے۔ گو کہ ہندوستان میں ہم خوشحال زندگی بسر کر رہے گے، اچھا گھر، اچھی شہرت اور اچھی آمدن مگر ہمارے والدین نے اپنا سب سکھ اور آسائشیں آزادی کے نام پر قربان کر کے سفر ہجرت باندھا اور پورے خاندان (30 افراد، جن میں بچے اور عورتیں بھی شامل تھیں) کو اپنے ہمراہ لیا اور پاک سرزمین (پاکستان) کی پاک زمین پر قدم رکھنے کا عظم کر لیا۔ گھر چھوڑنے کا درد کیا ہوتا ہے یہ کوئی ہم سے پوچھے ۔۔۔ کوئی ہم سے پوچھے کہ ہم نے اپنے بچپن کی یادیں کیسے بھول جانے کا عزم کر لیا ۔۔۔ ہم سے پوچھو کہ کس طرح قربانیاں دی جاتی ہیں ۔۔۔"

یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ایک لڑی نکلتے ہوئے ان کے داڑھی مبارک کو تر کرتی ہوئی ان کے دامن میں جا گری ۔۔۔ سسکیاں اس قدر تھیں کہ فضا سوگوار ہوگئی۔ ہر کوئی ان کے غم میں برابر کا شریک بن گیا ۔۔۔ ہم سمجھے کہ کہانی ختم مگر انھوں نے بعد کے جو واقعات بیان کیے وہ انسان سننا بھی چاہے تو نہیں سن پاتا ۔۔۔ لکھنا چاہے تو لکھ نہیں پاتا کیونکہ وہ واقعات اس قدر دل آویز تھے کہ انسان خون کے آنسو روتا ہے۔

" پڑوسیوں اور باقی رہ جانے والے دوستوں نے حالات خراب ہونے کی وجہ سے ہمارے ساتھ چلنے اور سٹیشن تک ہم کو چھوڑنے تو نہ آ سکے بلکہ گاؤں سے ہی ہم کو الوداع کیا، راستے میں ملنے والے دوستوں نے بتایا کہ سٹیشن نہ جاؤ حالات خراب ہیں ۔۔۔ مگر ہم سمجھے کہ یہ سب افواہیں ہیں، مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے جب ہم سٹیشن پر پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ ہر طرف خون کی ہولی تھی، کہیں بازوں کٹے ہوئے، کہیں پاؤں ٹانگوں سے جدا پڑے ہوئے اور کہیں بنا سر کے بکھرے ہوئے لاشے، کہیں پر عزت و عظمت کو پامال کیا گیا تو کہیں سر عام انسانیت کو روندا گیا، کہیں خون سے لت لاشے اور کہیں بے گور و کفن جنازے، کہیں یتیم و بے سہارا مخلوق، اور کہیں شفاف فلک کے سائے میں پلتے بچے، کہیں عورتوں کی عظمتیں اور کہیں بچوں کا بھوک و پیاس سے تڑپنا، کہیں چوروں کی عیاشیاں اور کہیں مظلوموں کی سسکیاں، کہیں اپنوں کی تلاش میں تڑپتے انسان اور کہیں اپنوں کی زندگی کے تمنائی، کہیں زندگی کی امید اور کہیں زندگی اپنی امیدوں کو توڑتے ہوئے، کہیں جوانوں کا جوش اور کہیں ان کے لاشے، غرضیکہ ہر طرف موت ہی موت تھی ۔۔۔ بچ جانے والوں کے مال و جان دونوں کا خطرہ تھا وہ لمحات آج بھی کبھی کبھار آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں تو ہوش اڑ جاتے ہیں ۔۔۔ ادھر جا کر ہم انتہائی تشویش میں مبتلا ہوگے کہ یہاں یہ کیا ہو رہا ہے ۔۔۔؟؟؟ رات کا وقت تھا۔

جب ہم سٹیشن پر پہنچے تھے تو ہمارے دادا جان نے رات سٹیشن پر روکنے کا فیصلہ کیا، ہم نے سٹیشن سے سائیڈ پر ایک خیمہ لگایا اور عورتوں اور بچوں کو اس میں سلا دیا، اور بڑوں نے پہرہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اچانک شور کی آواز آئی ۔۔۔ خیمہ کے اوپر خون کے چھینٹے پڑے، دو بچوں کے لاشے خیمے کے دروازے کے سامنے آ پڑے ۔۔۔ والد صاحب نے مقابلہ کیا مگر اُن کو بھی انھوں نے مار دیا، دادا جان جو کہ کافی عمر رسیدہ بھی تھے ان کو تلوار کے وار کر کے شدید زخمی کر دیا گیا، باقی افراد باہر ہی کھڑے تھے ان میں سے دو اُونچے لمبے ساڈھ قسم کے شخص خیمے کے اندر داخل ہوئے تو ہمارا ساز و سامان لوٹنے لگے عورتوں نے مزاحمت کی کوشش کی تو انھوں نے مزید ساتھیوں کو اندر بلا لیا اور

ہماری عورتوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔۔۔ میں عمر میں چھوٹا تھا مگر تیز تھا، اٹھا ان کو روکنے کے لیے مگر ایک نے رائفل کا بلٹ مارا تو یا تیوں نے جیسے بارش کر دی ہو ۔۔۔ میں وہ دور جا گرا جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سب کچھ جل کر خاک ہو چکا تھا، میرے دو بہن بھائی جو مجھ سے بھی چھوٹے تھے وہ خیمے کے پاس بیٹھے رو رہے تھے۔۔۔ نہ کوئی رشتہ دار رہا نہ کوئی مددگار" پھر صبح جب ٹرین کے آنے کا ٹائم ہوا تو میں ٹوٹے ہوئے پاؤں کو گھسیٹتے ہوئے اور ایک ہاتھ سے اپنے دو بہن بھائیوں کو لگا کر ٹرین کی ایک بوگی میں سوار ہوئے اور سیٹ کے نیچے چھپ گئے۔۔۔ پھر ہر سٹیشن پر حملہ، ہر مقام پر قتل و غارت کا بازار گرم، مگر بے یار و مددگار ہم پاکستان پہنچ گئے۔۔۔"

★★★

: مقابلہ کالم نویسی
انعام اول: ـــــ آزادی
حلیمہ وحید

آزادی ایک بہت بڑی نعمت ہے، آزادی کا دن پاکستان میں سرکاری سطح پر قومی تہوار کے طور پر بڑے جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔ فضا میں پرچم بلند کر کے ملک کے محسنوں کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔ آج ہمارے ملک میں ہر طرف بڑے جوش و خروش کے ساتھ یوم آزادی منایا جا رہا ہے اور کیوں نہ منایا جائے یہ پاک سر زمین ہمیں بڑی قربانیوں کے بعد ملی، اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا خوشی منانا ہر انسان کا حق ہے۔۔۔ کیونکہ آزادی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ پاک کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے کہ اللہ نے ہمیں اتنی خوبصورت سرزمین عطا فرمائی جس میں ہر نعمت موجود ہے، اور وسائل سے مالا مال ہے۔ اللہ پاک کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے۔ سورہ رحمٰن میں بھی اللہ پاک فرماتے ہیں ترجمہ: تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ کوئی بھی چیز، کوئی بھی کام بغیر کسی محنت مشقت کے حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ بہت سی قربانیاں دینا پڑتی ہیں پھر جا کر انسان اپنا مقصد حاصل کرتا ہے۔ برصغیر میں دو قومیں آباد تھیں پاک و ہند۔ دونوں قوموں کا رہن سہن رسم و رواج، کھانا پینا، اور عبادات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ برصغیر کے مسلمانوں پر انگریزوں کے ظلم و ستم بڑھتے جا رہے تھے وہ ہر میدان میں ہندوؤں کو آگے لا رہے تھے، نوکریاں ہندوؤں کو دی جا رہی تھیں تعلیم، تجارت، ملازمت غرضیکہ مسلمانوں کو ہر لحاظ سے کمتر سمجھا جاتا تھا اور ہندوؤں کو ہر لحاظ سے اعلیٰ اور برتر سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں کو اپنی عبادات آزادی سے کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ ایسے میں مسلمان احساس کمتری کا شکار ہوتے چلے جا رہے تھے کیونکہ انھیں ان کا حق نہیں مل رہا تھا۔ ان کے سامنے انکے حقوق تلف کیئے جا رہے تھے۔ ایسے گھٹے ہوئے ماحول میں رہ کر مسلمان بھلا خاک ترقی کرتے ہندوؤں اور انگریزوں کے ساتھ رہ کر مسلمان آزادی کے ساتھ عبادات نہیں کر سکتے تھے۔ مسلمانوں کو اسلامی طرز زندگی کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے ہر حال میں ایک الگ ملک چاہیے تھا...... جہاں وہ اسلام اور اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق زندگی گزار سکیں......

اور جس کا خواب علامہ اقبال نے دیکھا اور دو قومی نظریہ پیش کیا...... اور جس نظریہ کی قیادت قائداعظم نے تحریک پاکستان کی صورت میں تمام مسلمانوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا...... اور ایک الگ ریاست کے حصول کے لیے ہمارے بزرگوں نے بہت سی قربانیاں دیں...... ہمارے بزرگوں نے بہت محنت اور کوششوں سے الگ ملک حاصل کیا...... جہاں لوگوں نے اپنی جان کی بازی ہاری اور ہزاروں عورتیں بیوہ ہوئیں...... بہت سی لڑکیوں کی عزتیں پامال کی گئیں...... بہت سی ماؤں نے اپنے لخت جگر کھوئے ...... بہت سے بچے یتیم ہوئے...... لاکھوں بے گناہ لوگوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا...... یہ ملک ایسے ہی تو نہیں حاصل کیا گیا بلکہ اس میں بہت سے لوگوں کا خون اور محنت بھی شامل ہے...... اور بلا آخر 14 اگست 1947 کو قائد اعظم کی قیادت میں یہ ملک حاصل کر لیا گیا...... الگ ملک حاصل کرنے کے لیے جتنی قربانیاں مسلمانوں نے دی ہیں اسکی مثال نہیں ملتی اس ملک کو حاصل کرنے کا مقصد مسلمانوں کو ہندوں اور انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانا تھا...... اور مسلمانوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کرنا تھا جہاں وہ آزادی سے رہ سکیں اور اور اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں...... اب بات یہ ہے کہ کیا ہم واقعی آزاد ہیں، نہیں آزاد کہاں ہے ہم؟ ہم تو آج بھی غلام ہیں کیونکہ آزاد قومیں تو وہ ہوتی ہیں جنکے سر انسان کے بنائے ہوئے اصولوں کے آگے نہیں جھکتے ...... جن کے لیے قانون زمین پر رہنے والے نہیں بناتے بلکہ آسمان پر رہنے والا بناتا ہے...... اور وہ اسی کے آگے سر جھکاتے ہیں...... اور اسی کے بنائے ہوئے اصولوں پر چلتے ہیں...... کیا ہمارے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان میں یہ سب ہو رہا ہے...... کیا جس مقصد کے لیے ملک حاصل کیا گیا تھا وہ مقصد پورا ہو رہا ہے...... کیا ہم اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چل رہے ہیں............ نہیں نہ، آجکل ہر کوئی بھوکا مر رہا ہے کوئی اقتدار کے پیچھے، کوئی دولت کے پیچھے، کوئی شہرت کے پیچھے، کوئی کرسی کے پیچھے...... اپنا اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے سب لوگ ہر حد پار کر رہے ہیں...... ایک دوسرے کو غلط ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کے الزامات لگاتے ہیں، بدنام کرنے کے لیے ذاتیات پر حملے کیے جاتے ہیں...... کیا ہم آزاد قوم ہیں جہاں سر پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قانون کے آگے جھکتا ہے...... کیا ہم واقعی آزاد ہیں جہاں رمضان کے مقدس مہینے میں بے گناہ کو قتل کر دیا جاتا ہے...... ہم آزاد ہو کر بھی آزاد نہیں...... کیا یہی خواب دیکھے تھے علامہ اقبال نے اور قائداعظم نے اسی مقصد کے لیے دن رات محنت کر کے یہ ملک حاصل کیا تھا کہ یہاں اقتدار کے پیچھے بھاگا جائے ...... جہاں طاقتور طبقہ عیش کی زندگی گزارے اور غریب عوام مہنگائی کی چکی میں پستی جائے ...... جہاں غریب عوام کو دو وقت کی روٹی نہ ملے اور امیر طبقے کے کتے بھی اعلیٰ کھانے کھائے...... اندرونی اور بیرونی طاقتیں مل کر اس ملک کو کمزور کر رہی ہیں............ اس ملک کو حاصل کرنے کے جو مقاصد تھے وہ کیسے پورے ہوں اس کے لیے ہم سب کو مل کر کام کرنا پڑے گا ذات پات، رنگ و نسل کے فرق کو مٹانا ہو گا اور تقویٰ اور پرہیزگاری ہی بزرگی کی اصل علامت ہے اور جس مقصد کے لیے ملک حاصل کیا گیا تھا یعنی اسلامی تعلیمات کا نفاذ کرنا ہو گا...... ملک کے مقاصد کا تحفظ کرنے کے لیے ہم سب کو مل کر کھڑا ہونا ہے اندر سے جھوٹ، دھوکہ اور منافقت کو ختم کرنا ہو گا......

کیونکہ پاکستان ایک ایٹمی طاقت ہے اور اگر سب ملکر کھڑے ہو جائیں تو دشمن کو منہ توڑ جواب دے سکتے ہیں

اور یہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا اور اللہ کے فضل و کرم سے ہمیشہ قائم رہے گا۔اس ملک میں جو بھی حکمران آیا اس نے ملک کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن پھر بھی یہ ملک اللہ کے فضل سے قائم ہے اور رہے گا...... بس آج ہمیں یہ عہد کرنا ہوگا کہ ہم سب مل کے اس ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لئے کام کریں گے آپس کی نفرتیں اور عداوتیں مٹا کر ایک دوسرے سے قدم سے قدم ملا کر ملک کی سلامتی کے لیے کام کریں گے......

ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کا خیال رکھنا ہوگا اور مل کر ملک کو ترقی یافتہ قوموں کے برابر لانا ہوگا اور دشمن عناصر کو بتانا ہوگا ہم ایک ہیں ہم زندہ قوم ہیں...... اور ملک میں اسلامی نظام قائم کر کے ہی دم لیں گے اپنی زندگیوں کو اللہ اور رسول کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق گزاریں گے ملک میں اسلامی نظام قائم کریں گے......

دعا ہے اللہ پاک ہمارے ملک کو مزید کامیابیاں عطا فرمائے اور تا قیامت آزادی کا دن مناتے رہیں اور پاکستان پر بری نظر ڈالنے والوں کو نیست و نابود کرے...... آمین

خدا کرے میرے عرض و پاک پر اترے۔

وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو،

انعام دوم:

"جشن آزادی"

از قلم: ثناء واجد

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء جس دن ہمارا پیارا ملک دنیا کے نقشے پر پاکستان کے نام سے چمکتے ہوئے پوری دنیا نے دیکھا وہ دن۔جس دن ہم مسلمان ہندوؤں کے علیحدہ رہن سہن کی وجہ سے علیحدہ ہوئے تھے۔ وہ عظیم دن جب "لا الہ الا اللہ" کی بنیاد پر انگریزی سامراج سے آزاد کرایا تھا تا کہ ہم بحیثیت مسلمان ایک علیحدہ اسلامی ریاست قائم کر سکیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے احکامات کے مطابق آزادانہ زندگی بسر کر سکیں۔

ساری دنیا نے دیکھا تھا کہ کس طرح ایک دبلے پتلے نوجوان نے اپنی ان تھک محنت، حوصلہ اور مستقل مزاجی کے ساتھ انگریزوں اور ہندوؤں کے چنگل سے مسلمانوں کو آزاد کرا کر ایک آزاد مسلم ریاست کا قیام عمل میں لایا تھا تو پھر ایک پاکستانی کی حیثیت سے یہ ہمارا فرض بھی ہے اور حق بھی کہ جشن آزادی پورے جوش و جذبے اور ولولے کے ساتھ منائیں کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر شکر ادا کرنا ہمارے اوپر فرض ہے اور اس پر خوشی کا اظہار بھی کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

(ترجمہ) "آپ فرما دیجئے اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر (مسلمان کو چاہیے کہ) خوشیاں منائیں۔" (سورۃ یونس)

اور آزادی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے بہت بڑی نعمت ہے، جس پر جتنا شکر ادا کیا جائے اتنا ہی کم ہے۔یہ سو فیصد حقیقت بھی ہے کہ پورے جوش و جذبے اور ولولے سے جشن آزادی کو حکومتی و عوامی سطح پر منایا جاتا ہے اس عظیم دن پر، جو ہمیں ہماری آزادی کا احساس دلاتا ہے اس دن کا آغاز قائداعظم کے مزار پر فاتحہ خوانی اور پھولوں کے ہار چڑھانے سے ہوتا ہے، قومی ترانے سے جشن آزادی کی تقریب کا آغاز کیا جاتا ہے سرکاری عمارات پر لہراتا ہوا سبز ہلالی پرچم اور قمقموں سے سجاوٹ نظر آتی ہے تمام سرکاری ادارے بند کر دیے جاتے ہیں اور اس کے علاوہ ٹیلی ویژن پر وزیراعظم کا قوم سے خطاب دکھایا جاتا ہے ملی نغمے گائے جاتے ہیں، جشن آزادی کے حوالے سے مختلف پروگرامز بھی دکھائے جاتے ہیں، جس میں مختلف قسم کے ڈرامے، ٹاک شوز اور میوزیکل پروگرامز دکھائے جاتے ہیں.

جبکہ عوامی سطح پر جشن آزادی گلی محلوں کو جھنڈیوں اور قمقموں سے سجا کر منایا جاتا ہے۔ قوم کی دوشیزائیں چہروں پر نقش بنوا کر اور مستقبل کے معمار ساری رات دن "ون ویلنگ" کرتے ہوئے لا الہ الا اللہ کے نام پر بننے والے ملک کا جشن مناتے ہیں۔گلی محلوں میں آزادی کے جشن کی تقریب انڈین گانوں پر ڈانس کے مقابلوں پر ختم ہوتا ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے وجود میں آنے کی خوشی میں کہیں ورلڈ ریکارڈ بنانے کے لیے بڑے بڑے جھنڈے بنوائے جاتے ہیں تو کہیں دنیا کے سب سے بڑے کیک کی تیاری کی جاتی ہے اور کبھی ایسے انوکھے کام سرانجام دیئے جاتے ہیں جس سے پوری دنیا میں پاکستان کا نام روشن کرنے کی کوشش کی جائے۔بہت جوش و جذبہ کے ساتھ عوامی سطح پر بھی اور حکومتی سطح پر بھی جشن آزادی منایا جاتا ہے۔صرف اور صرف ایک دن کے لیے---!!

اسلام کے متوالوں کا لا الہ الا اللہ کی بنیاد پر معرض وجود میں آنے والے وطن کے اس طرح کے جشن پر--- کیا بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی روح تڑپتی نہ ہوگی؟

اپنی جانوں کی قربانی دینے والے آباء و اجداد کی ارواح کو سکون مل جاتا ہوگا؟

صرف ایک دن کے جشن منانے کے اور وہ بھی ایسی بے مقصد خرافات کے ساتھ جشن منانا کیا درست ہے؟

وہ جشن جس میں جھوٹے عہد و پیمان کیے جاتے ہوں اور وقتی جوش و ولولہ دکھایا جاتا ہو کیا ایسے جشن پر ہمارے وہ بزرگ جن کو اپنے پیاروں کی کٹی پٹی لاشوں کو کندھا دینے کی نوبت بھی نہ ملی ہوگی وہ بزرگ جو اپنا سب کچھ قربان کر کے اپنی زندگی بھر کی جمع پونجی کی قربانی دے کر ہندوستان سے پاکستان آئے ہوں گے--- کیا ان کے دلوں کو قرار مل گیا ہوگا؟

یقیناً عالم ارواح میں قربانی دینے والے مسلمانوں کی ارواح آہ و زاریاں ضرور کرتی ہوں گی۔یقیناً اپنے مستقبل کے نونہالوں کو دیکھ کر خون کے آنسو ضرور روتے ہوں گے۔وہ واحد نظریاتی قوم جس کی بنیاد "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ" پر ہے، جس کی آزادی پر دنیا حیران رہ گئی تھی آج وطن کے نوجوانوں کی حالت زار دیکھ کر ہمارے آباؤ اجداد کی ارواح ماتم ضرور کرتی ہوں گی کیونکہ یہ ملک نسل نو کے لیے تو آزاد کرایا گیا تھا تا کہ وہ آزادی کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات پر چل سکیں اور علیحدہ آزاد مسلم ریاست قائم کریں، پر افسوس---!! آج ۶۹ سال گزرنے کے بعد ہندوستان کے مسلمان قائد کی انتھک محنت سے ایک آزاد ریاست کے مالک تو بن بیٹھے ہیں پر آج بھی اسی دوراہے پر کھڑے ہیں جس دوراہے پر ۶۹ سال پہلے کھڑے تھے، بس فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے ہمارے دل و دماغ کے ساتھ ساتھ جسم بھی قید تھے اور آج ہم جسمانی لحاظ سے آزاد ہیں لیکن ذہنی طور پر ہم پھر اپنی مرضی سے اغیار کے

قیدی بنے بیٹھے ہیں، آج کی نوجوان نسل کا آزادی کا نقطہ نظر یکسر تبدیل ہو کر رہ گیا ہے۔ آج کی نسل کے نزدیک جشن کا مطلب صرف اور صرف ہلہ گلہ اور رات دیر تک گھر سے باہر رہ کر موج مستی اور اپنے وقت کا ضیاں کرنا رہ گیا ہے۔ آج کی نسل اقدار اور ثقافت کو پس پشت ڈال چکی ہے۔ آج کی نسل تو کو سب سے پہلے آزادی کا مطلب سمجھانے اور آزادی کے حوالے سے عوامی سطح پر شعور اجاگر کرنے کی ضرورت ہے اور اس کا اہتمام کرنا ہوگا تا کہ وطن دشمنوں نے جو زہر اپنی ثقافت کے ذریعے نوجوان نسل کی رگوں میں ڈالا ہے اس کا اثر ختم ہو سکے اور ماضی میں اپنے لاشعوری یا نا سمجھی میں قیام پاکستان کے بعد مختلف شعبوں میں آئی خرابیوں کا ازالہ ہو سکے۔ اس کے لیے نوجوان نسل کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ بزرگوں کی دی ہوئی قربانیوں کی لازوال داستانوں کو اس نسل تو کے گوش گزار کرنا ہوگا تا کہ آزادی کا مطلب پہچان سکے اور قیام پاکستان کی اصل حقیقت اور مقصد کا شعور اجاگر ہو سکے اور ملک کی تعمیر و ترقی میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جا سکے۔ حکومتی سطح پر بھی جشن آزادی پر کوئی ایسے منصوبے تیار کرنے چاہیئے جس میں پاکستان اور پاکستانی عوام کا فائدہ ہو سکے۔ تاریخ گواہ ہے کہ دنیا بھر میں ہر قوم تاریخ کے اہم موڑ یاد رکھنے کے لیے یادگاریں تعمیر کرتی ہے۔ ان میں تاریخ ساز شخصیات کے مزارات، اہم واقعات کی یاد میں دلکش پارک، عجائب گھر، یادگار اور عوامی و سرکاری استعمال کی عمارات شامل ہیں۔ واشنگٹن میموریل، ماسکو کا ریڈ اسکوائر، لندن کا ٹریفالگر سکوائر، پیرس کی محراب فتح، ڈھاکہ کی یادگار شہداء، تہران کا میدان ژالے، انقرہ میں اتاترک کا مقبرہ، دلی میں گاندھی جی کی سمادھی، غرض پوری دنیا میں یہاں سے وہاں تک ا

ہرام مصر کے دور سے آج تک ایک سے ایک یادگار موجود ہے۔ بالکل اسی طرح جشن آزاد کے موقع پر کوئی ایسا کام یا منصوبہ ضرور شروع کرنا چاہیئے جس سے ملک و قوم کی تعمیر و ترقی میں مدد مل سکے اور پاکستانی عوام کا فائدہ ہو سکے۔

★★★

ہمارا پیارا وطن پاکستان

انچارج
کہکشاں صابر

پاکستان کا،،دل،،لاہور
کہکشاں صابر۔۔۔فیصل آباد
لاہور لاہور اے

لاہور کا شمار دنیا کے قدیم اور اہم ترین شہروں میں کیا جاتا ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دل اور صوبہ پنجاب کا دارالحکومت لاہور پوری دنیا میں ایک مشہور شہر ہے۔ زندہ دلان لاہور کے روایتی جوش و جذبے اور بے مثال زندہ دلی کے باعث اسے بجا طور پر پاکستان کا دل کہا جاتا ہے۔

کہاوت مشہور ہے۔

"جنے لاہور نی ویکھیا او جمیا ای نہیں"

مطلب۔ جس نے لاہور نہیں دیکھا وہ پیدا ہی نہیں ہوا

تو کیوں ناں میں آپ کو لاہور کی خوبصورت اور تاریخی جگہ کی سیر کرواؤں

لاہور کی تاریخ ہزاروں سال پر پھیلی ہوئی ہے۔ روایت کے مطابق راجہ رام کے بیٹے راجہ لوہ نے شہر لاہور کی بنیاد رکھی اور یہاں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا۔ اسی لیے لاہور کا شمار دنیا کے قدیم اور اہم ترین شہروں میں کیا جاتا ہے

اپنے باغات اور قدرتی حسن کے باعث اسے "عروس البلاد" کہا جاتا رہا ہے۔

مغربی جانب بہنے والے دریائے راوی نے اس کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ دسویں صدی عیسوی تک یہ شہر ہندو راجاؤں کے زیر نگرانی رہا۔ گیارھویں صدی میں یہ علاقہ اسلام کی روشنی سے منور ہوا

لاہور کو فتح کرنے کے تاریخ میں بہت سے نام ملتے ہیں"سلطان محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، ظہیر الدین بابر جنھوں نے مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی" پھر مغلوں نے اپنے دور میں لاہور میں کئی باغات لگوائے عظیم الشان عمارات اور مساجد تعمیر کروائیں۔

اکبر اعظم نے شاہی قلعہ کو از سر نو تعمیر کروایا۔ شاہجہان نے شالامار باغ تعمیر کروایا جس کو اپنی خوبصورتی کے باعث عالمی شہرت حاصل ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر نے بادشاہی مسجد تعمیر کروائی جو کہ شاہ فیصل مسجد اسلام آباد کے بعد دنیا کی سب سے بڑی مسجد ہے

۔شہزادی جہاں آرا نے دریائے راوی کے کنارے چوبرجی باغ تعمیر کروایا جس کے مین دروازے کے آثار چوبرجی کے نام سے موجود ہیں۔

اس کے بعد سکھوں نے لاہور کو فتح کر کے اسے تین حصوں میں تقسیم کر لیا۔ پھر یہاں پر سکھ سلطنت کی بنیاد رکھی۔ سکھوں نے اپنے عہد کے دوران مسلمانوں کے مذہبی مقامات بالخصوص مساجد کی بے حرمتی کی۔

اسکے بعد انگریزوں نے 1849ء میں سکھوں کو شکست دیکر پنجاب کو برطانوی سلطنت میں شامل کر لیا انھوں نے 1947ء تک برصغیر پاک و ہند پر حکومت کی

23 مارچ 1940ء کو لاہور شہر کو ایک بہت بڑا اعزاز حاصل ہوا اس روز آل انڈیا مسلم لیگ نے قائداعظم کی صدارت میں قرارداد پاکستان منظور کی۔ اللہ کے فضل سے 14 اگست 1947ء کو مسلمانوں کو اپنا الگ آزاد ملک مل گیا۔

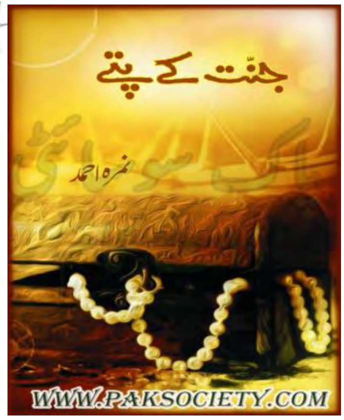
لاہور شہر برصغیر کے قدیم ترین علاقوں میں سے ایک ہے اور یہ ہمیشہ سے اہم تجارتی گزرگاہ اور ثقافت کا مرکز رہا ہے۔ جس کا ماضی تعمیرات پاکستان کے دیگر علاقوں کے مقابلے میں منفرد ہیں۔

اندرون لاہور جسے پرانا لاہور بھی کہا جاتا ہے میں مغلیہ دور حکومت کے دوران دشمن کے حملوں سے بچانے کے لیے فصیل یا دیوار تعمیر کی گئی تھی جس میں تیرہ دروازے تھے۔ تیرہ دروازوں کے نام یہ ہیں۔

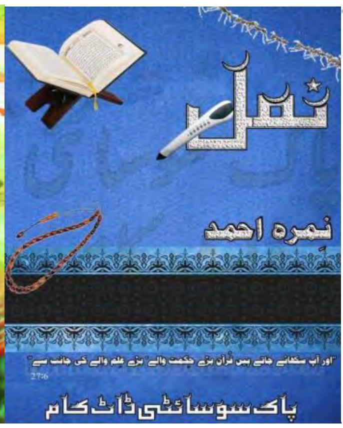
بھاٹی دروازہ، ٹکسالی دروازہ، روشنائی دروازہ، مستی دروازہ، اکبری دروازہ، کشمیری دروازہ، شیرانوالہ دروازہ، یکی دروازہ، دہلی دروازہ، موچی دروازہ، شاہ عالمی دروازہ، لوہاری دروازہ اور موری دروازہ۔

بھاٹی دروازہ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب محمود غزنوی نے راجہ جے پال کو شکست دی تو یہاں

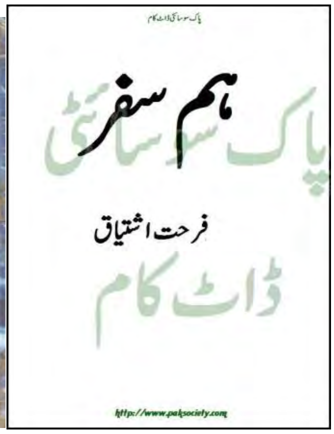
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

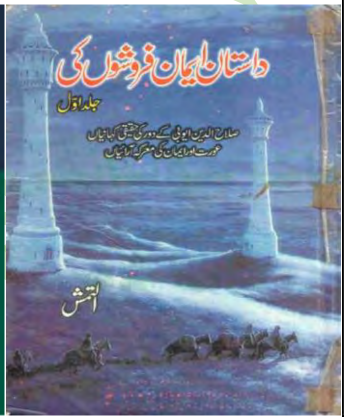




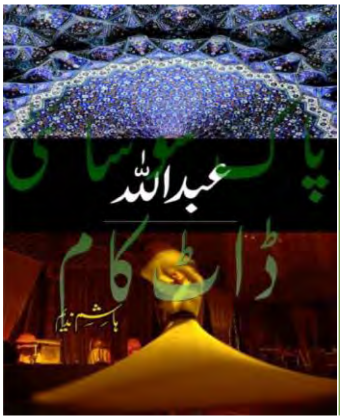


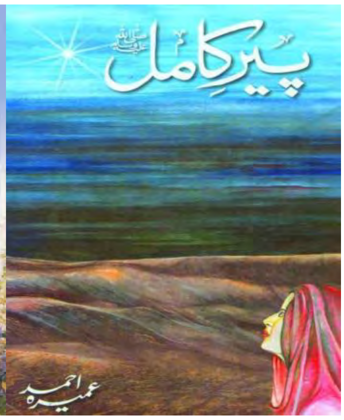




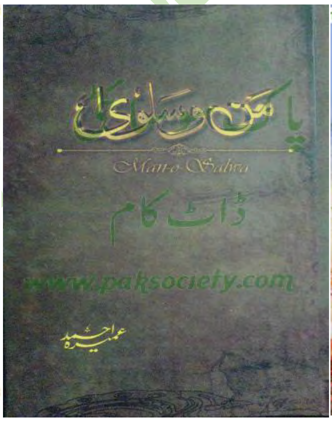




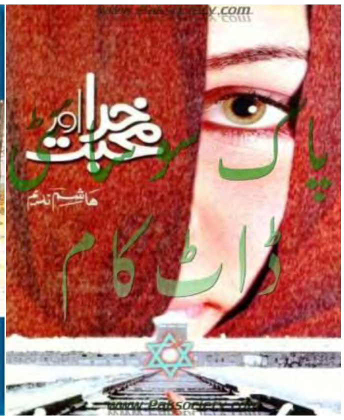


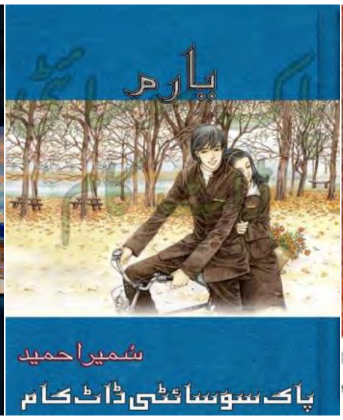




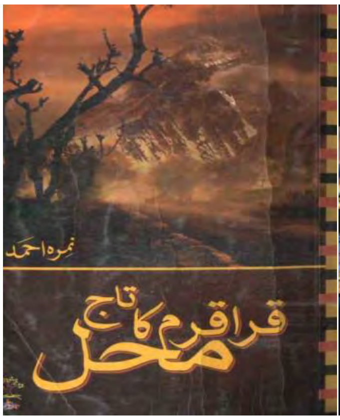












موجود دروازے کو راجپوت قبیلے بھاٹ یا بھٹی کا نام دیا گیا، جسے مغل بادشاہ اکبر نے اپنے عہد میں دوبارہ تعمیر کرایا۔ یہ اپنے مخصوص لوہاری کھانوں کی بناء پر جانا جاتا ہے اور یہاں چوبیس گھنٹے چٹ پٹے کھانوں کے شوقین افراد کی بھرمار رہتی ہے۔ اس کے علاوہ یہاں ایک میوزیم اور بازار حکیماں جیسی تاریخی مارکیٹ بھی اس دروازے کے ساتھ موجود ہے۔ اس دروازے کی ایک خاص اہمیت یہاں شاعر مشرق علامہ اقبال کی دوران گریجویشن رہائش بھی ہے۔

ٹکسالی گیٹ/ دروازہ کا نام یہاں سکے ڈھالنے کے لیے موجود ٹکسال کی وجہ سے پڑا تاہم آج یہ ٹکسال اور دروازہ دونوں ہی منہدم ہو چکے ہیں۔ مگر ابھی بھی یہ جگہ کھانے پینے کے شوقین لاہوریوں کے لیے پسندیدہ مقام ہے جہاں بھیجے کے پائے اور کچھ حلوہ پوری کی مشہور دکانیں موجود ہیں

روشنائی دروازہ شاہی قلعے اور بادشاہی مسجد کے درمیان واقع ہے۔ یہ دروازہ دوسرے دروازوں سے اونچا اور چوڑا ہے۔ شام کے وقت اس دروازے کو روشن کیا جاتا تھا جس کی وجہ سے ہی اسے روشنائی دروازے کا نام دیا گیا۔

مستی دروازہ کا اصل نام مسجدی دروازہ تھا، جو بگڑ کر مستی ہو گیا۔ بادشاہ اکبر کی والدہ مریم مکانی کے نام سے منسوب مسجد اس دروازے میں واقع ہے۔ لوہاری اور بھاٹی کی طرح یہ بھی اپنے بہترین کھانوں اور دودھ کی دکانوں کی وجہ سے جانا جاتا ہے، خاص طور پر ربڑی والا دودھ اور قلفی تو سیاحوں کی جان سمجھا جاتا ہے

اکبر دروازے کا نام مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کے نام پر رکھا گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ اب صفحہ ہستی سے مٹ چکا ہے۔ یہاں لاہور کی سب سے بڑی ہول سیل اور ریٹیل مارکیٹ اکبری منڈی واقع ہے جہاں ہر قسم کے اجناس کی تجارت ہوتی ہے۔

کشمیری دروازہ: اس دروازے کا رخ وادی کشمیر کی جانب ہے تو اسی لئے اسے کشمیری دروازے کا نام دیا گیا، اس دروازے کے اندر کشمیری بازار کے نام سے ایک مشہور مارکیٹ موجود ہے

شیرانوالی/ خضری دروازے بمعروف بزرگ حضرت خواجہ خضر الیاس تھا جنھیں امیر البحر کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں اس کا نام تبدیل ہو گیا اور یہ شیرانوالہ دروازہ معروف ہو گیا۔ اس دروازے کے اندر روایتی پرانی لاہوری طرز زندگی کا نظارہ کیا جا سکتا ہے اور یہاں کے تنگ بازاروں میں تل دھرنے کی بھی جگہ نہیں ہوتی۔

ذکی دروازہ کا نام ایک شہید صوفی ذکی کے نام پر رکھا گیا/ کی تاریخ میں رقم ہے کہ اس صوفی بزرگ نے شمال سے آنے والے تاتاری حملہ آوروں کا بہت بہادری سے مقابلہ کیا تھا جس کے دوران اس کا سر کاٹ لیا گیا۔ اس دروازے کے ارگرد متعدد حویلیاں اور مندر موجود ہیں جہاں اکثر سیاحوں کا رش دیکھنے کو ملتا ہے

دہلی دروازہ مغل بادشاہ اکبر نے تعمیر کرایا تھا۔ چونکہ اس دروازے کا رخ دہلی کی جانب تھا اسی لئے اس کا نام دہلی دروازہ ہی رکھ دیا گیا، یہاں پر خوبصورت شاہی حمام موجود ہے جو دیکھنے والوں کو مسحور کر کے رکھ دیتا ہے۔

اس کے علاوہ تاریخی عمارات، پرانی گلیاں، لنڈا بازار، تاریخی وزیر خان مسجد، پرانی حویلیاں اور یک اہم ہندو یادگار بھی موجود ہیں جو دیکھنے والوں کو حیران کر دیتی ہیں

موچی دروازہ لاہور کے دروازوں میں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے، جس کا اصل نام پہلے موتی دروازہ تھا پھر مورچی اور اس کے بعد موچی مشہور ہو گیا اور اب اسی نام سے جانا جاتا ہے۔ یہاں مغل دور کی چند مشہور حویلیاں بھی موجود ہیں جن میں مبارک حویلی، نثار حویلی اور لال حویلی قابل ذکر ہیں۔

شاہ عالمی دروازہ اورنگزیب عالمگیر کے بیٹے شاہ عالم کے نام پر رکھا گیا تھا۔ جبکہ اس کا پرانا نام بھیروالا دروازہ تھا، تاریخی لحاظ سے انتہائی اہم ہے اور یہاں کئی یادگاریں، حویلیاں اور قدیم بازار واقع ہیں، جن میں رنگ محل، سوہا بازار، کناری بازار وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح سنہری مسجد اور اونچی مسجد جیسی تاریخی مساجد بھی اسی دروازے کے پاس واقع ہیں۔

اکبر کے عہد میں تعمیر کردہ شہر کا سب سے پرانا دروازہ" لوہاری دروازہ" کہلاتا تھا، جس کا اصل نام درحقیقت لاہور دروازہ تھا جو بگڑ کر لوہاری ہو گیا۔ برطانوی عہد میں لاہور کے کئی دروازوں کو دوبارہ تعمیر کیا گیا تاہم لوہاری واحد دروازہ تھا جو اپنی اصل شکل میں برقرار رہا اور اب یہ شہر کا ایک مصروف ترین کاروباری علاقہ سمجھا جاتا ہے جہاں اکثر پیدل چلنا بھی آسان ثابت نہیں ہوتا جبکہ اس کے ساتھ ہی لاہور کا مصروف ترین انارکلی بازار ہے

یہ تمام دروازے جو کہ سکھوں کے عہد تک غروب آفتاب کے بعد بند کر دیے جاتے تھے۔ ان میں سے کچھ دروازوں کے آثار اب بھی موجود ہیں۔

مینار پاکستان " پاکستان کی ایک اہم اور تاریخی جگہ ہے مینار پاکستان لاہور میں اسی جگہ تعمیر کیا گیا جہاں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس اور قرارداد منظور ہوئی تھی اسی لیے اس جگہ کو یادگار بھی کہا جاتا ہے یہ جگہ یادگار، مینار پاکستان، منٹو پارک اور اقبال پارک کے نام سے جانی جاتی ہے

مینار پاکستان 18 ایکڑ رقبے پر محیط ہے مینار کی بلندی 196 فٹ اور اوپر جانے کیلئے اور لاہور کی خوبصورتی دیکھنے کے لیے 324 سیڑھیاں ہے اس کے علاوہ اوپر جانے کیلئے لفٹ بھی نصب کی گئی ہے

مینار کا شروع کا حصہ کھلتے پھول کی پتیوں سے مشابہت رکھتا ہے سنگ مرمر کی خوبصورت دیواروں پر قرآنی آیات، قائداعظم اور علامہ اقبال کے اقوال اور آزادی کی تاریخ کندہ ہے قومی ترانے کے خالق حفیظ جالندھری کا مزار بھی مینار پاکستان کے احاطے میں ہے مینار کے اردگرد خوبصورت فوارے سبزہ اور راہداریاں اس جگہ کے حسن کو نکھارتی ہے

"شاعر مشرق علامہ اقبال" کا مقبرہ جو لاہور کے حضوری باغ میں بادشاہی مسجد اور شاہی قلعہ کے درمیان واقع ہے عمارت کا طرز تعمیر افغان اور مورش کی طرز تعمیری بنیاد رکھتی ہے اور اسے مکمل طور پر لال پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے اس عمارت پر ہمہ وقت پاکستان رینجرز کے اہلکاروں کا پہرہ رہتا ہے " شالیمار باغ" 1614 کو مغل شہنشاہ شاہجہان نے لاہور میں تعمیر کروایا تھا یہ باغ مستطیل شکل میں ہے جس کے اردگرد اینٹوں کی ایک اونچی دیوار بنی

ہوئی ہے باغ تین حصوں میں بٹا ہوا ہیں اور تینوں کی بلندی ایک دوسرے سے علیحدہ ہے باغ میں تقریبا 410 فوارے 5 آبشاریں اور آرام کے لیے کچھ عمارتیں بھی موجود ہے اس باغ کی خوبصورتی سیاحوں کا دل موہ لیتی ہے۔

"شاہی قلعہ" کی تاریخ زمانہ قدیم سے جا ملتی ہے لیکن اس کی از سرِ نو تعمیر مغل بادشاہ اکبر اعظم نے 1556 میں کروائی جبکہ ان کے بعد کی آنے والی نسلیں اس کی تزئین و آرائش کرتی رہی ہیں اسی لیے یہ قلعہ مغلیہ فن تعمیر کا منہ بولتا نمونہ نظر آتا ہے قلعے میں واقع مشہور مقامات بھی اپنی اہمیت آپ رکھتے ہیں جس میں شیش محل، عالمگیری دروازہ، نولکھا محل اور موتی مسجد شامل ہے یونسکو نے اس قلعے کو عالمی ثقافتی ورثہ قرار دیا ہے یہ قلعہ بادشاہی مسجد لاہور کے بالکل سامنے واقع ہیں بادشاہی مسجد کی بنیاد اورنگزیب عالمگیر نے رکھی یہ مسجد مغلوں کے دور کی شاندار مثال ہے اور لاہور شہر کی شناخت بھی اس مسجد کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ یہ پورے پاکستان میں دوسری بڑی مسجد ہے جہاں بیک وقت 60 ہزار لوگ نماز ادا کر سکتے ہیں اس کا طرز تعمیر جامع مسجد دلی سے ملتا جلتا ہے جو کہ اورنگزیب کے والد شاہجہان نے تعمیر کروائی تھی اس مسجد کی تعمیر اور آرائش میں تقریبا دو سال لگے یہاں پر حضرت محمدؐ سے منسوب چادر مبارک آپؐ کا نعلین مبارک اور بال مبارک بھی موجود ہے

تاریخی باغ، باغ جناح اس سے پہلے لارنس گارڈن یا لارنس باغ کہلایا کرتا تھا۔ یہاں سبزہ زار، نباتاتی باغ اور ایک مسجد کے علاوہ جناح لائبریری بھی واقع ہے جو کہ وکٹوریا بلڈنگ میں قائم کی گئی ہے

یہ ایک نباتاتی باغ ہے۔ جو کہ کیو گارڈن کے تعمیرات کے حوالے سے جانا جاتا تھا۔ پاکستان کے چند انتہائی اہم اور خوبصورت ترین نباتاتی باغات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس باغ میں تقریباً 150 مختلف اقسام کے درخت، 140 اقسام کی جھاڑیاں، 50 قسم کی بیلیں، 30 قسموں کے یک سمتی درخت اور 100 مختلف قسم کے سرسبز پودوں کی اقسام ہیں۔

اس باغ میں تین نرسریاں اور چار نالی دار مصنوعی پہاڑیوں کا رقبہ بھی شامل ہے۔ اس باغ میں دو کتب خانے بھی تعمیر کیے گئے ہیں، جو کہ جناح لائبریری اور دارالسلام کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

لاہور میں کئی صوفیائے کرام اور بزرگان دین کے مزارات بھی ہیں ان میں حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت میاں میرؒ، حضرت شاہ حسینؒ، حضرت موج دریا بخاریؒ، حضرت شاہ جمالؒ، حضرت شاہ کمالؒ، حضرت پیر مکیؒ، حضرت شاہ محمد غوثؒ، گھوڑے شاہؒ، شاہ چراغؒ، میاں وڈھاؒ، حضرت حسین زنجانیؒ اور حضرت بابا شاہ فریدؒ شامل ہیں۔

جتنا بھی لاہور کے بارے میں جانا جائیں یا لکھا جائیں کم ہیں یہ ایک تاریخی، ثقافتی، سیاسی جگہ ہے ہر موڑ میں ایک کہانی ہر موڑ میں ایک تاریخ چھپی ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہی ہو رہا ہے جو ہمارے ثقافتی ورثے کی حفاظت اور اگلی نسلوں تک منتقلی کا امین بھی ہیں

لاہور کے تاریخی مقامات کی سیر

علیمہ ملک۔ کراچی

شہر لاہور پاکستان کا دل، زندہ دلوں کا شہر جس کی تاریخی حیثیت سے انکار ممکن نہیں۔ لاہور صوبہ پنجاب کا دارالحکومت ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان کا دوسرا بڑا شہر بھی کہلاتا ہے یہ پاکستان کا تاریخی، ثقافتی، تعلیمی مرکز ہے۔ دریائے راوی کے کنارے آباد اس شہر کی آبادی ایک کروڑ کے قریب ہے۔ شہر لاہور اپنی تاریخ کے اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل ہے، یہ برصغیر کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے، لاہور شہر کی تاریخ ہزاروں سال پر پھیلی ہوئی ہے، روایت کے مطابق راجہ رام کے بیٹے راجہ لوہ نے شہر لاہور کی بنیاد رکھی اور یہاں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا پھر اس کے بعد دسویں صدی عیسوی تک یہ شہر ہندو راجاؤں کے زیر نگین رہا، گیارویں صدی میں یہ علاقہ اسلام کی روشنی سے منور ہوا۔ جب سلطان محمود غزنوی نے پنجاب فتح کر کے ایاز کو لاہور کا گورنر مقرر کیا۔ اسی طرح لاہور شہر ہمیشہ سے اہم تجارتی گزرگاہ اور ثقافتی مرکز رہا جس کا ماضی بہت رنگین جبکہ یہاں کی تعمیرات پاکستان کے دیگر علاقوں کے مقابلے میں منفرد ہیں، اندرون لاہور جس کو پرانا لاہور بھی کہا جاتا ہے یہ مغلیہ دور حکومت کے دوران دشمن کے حملوں سے بچاؤ کے لئے فصیل یعنی دیوار تعمیر کی گئی تھی جس میں بارہ دروازے بنائے گئے تھے جن میں سے کچھ تو وقت کے ساتھ نہ دینے کے باعث منہدم ہو گئے۔ ان دروازوں کے نام ہیں دہلی دروازہ، اکبری دروازہ، شاہ عالمی دروازہ، لوہاری دروازہ، بھاٹی دروازہ، ٹکسالی دروازہ، روشنائی دروازہ، مستی دروازہ، کشمیری دروازہ، خضری دروازہ، ذکی دروازہ، شیرانوالہ دروازہ، موری دروازہ۔

شہر لاہور تاریخ کے اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل ہے شاہی قلعہ، شالامار باغ، بادشاہی مسجد، مقبرہ جہانگیر، اور مقبرہ نور جہاں مغل دور کی یادگار ہیں۔ یہاں سکھ اور برطانوی دور کی بھی تاریخی عمارتیں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ مسجد وزیر خان، سیکرڈ ہارٹ کیتھیڈرل، اسلامی سربراہی کانفرنس ہال، گوالمنڈی فوڈ اسٹریٹ، لاہور عجائب گھر، ہوا محل، بارڈر، الفریڈ وولنر کا مجسمہ اور مینار پاکستان تاریخی اہمیت کے حامل ہیں اور اہم مقامات ہیں سیاحت کے لحاظ سے۔

مینار پاکستان۔۔۔۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ کو لاہور کو ایک منفرد اعزاز حاصل ہوا، کیونکہ اس روز آل انڈیا مسلم لیگ نے قائداعظم کی صدارت میں قرارداد پاکستان منظور کی جس کے نتیجے میں پاکستان ۱۴ اگست کو وجود میں آیا۔ یہ قرارداد پاکستان لاہور کے منٹو پارک میں منعقد کی گئی جس میں مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا گیا۔ آج اسی مقام پر مینار پاکستان اسی دن کی یادگار کے طور پر موجود ہے۔ یہ مینار عین اسی مقام پر تعمیر کیا گیا جہاں قائداعظم نے کھڑے ہو کر مسلم لیگ کے اجلاس سے تاریخی خطاب کیا تھا۔ مینار پاکستان کا ڈیزائن نصر الدین مرات خان نے تیار کیا گیا اور تعمیر کا کام ۲۳ مارچ ۱۹۶۰ میں شروع کیا اور ۲۱ اکتوبر ۱۹۶۸ اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔

بادشاہی مسجد لاہور۔۔۔۔

بادشاہی مسجد ۱۶۷۳ میں اورنگزیب عالمگیر نے لاہور میں بنوائی یہ عظیم الشان مسجد مغلوں کے دور کی اہم مثال ہے اور لاہور شہر کی شناخت بن چکی ہے، جو کہ فیصل مسجد اسلام آباد کے بعد پورے پاکستان کی دوسری بڑی مسجد ہے، جس میں بیک وقت ۶۰ ہزار لوگ نماز ادا کر سکتے ہیں اس مسجد کا انداز تعمیر جامع مسجد دلی سے بہت ملتا جلتا ہے جو کہ اورنگزیب کے والد شاہجہان نے ۱۶۴۸ میں تعمیر کروائی تھی۔ ۲۲ فروری ۱۹۷۴ کو لاہور میں منعقدہ دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس کے موقع پر ۳۹ سربراہان مملکت

نے جمعہ کی نماز اس مسجد میں ادا کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس مسجد میں نبی کریم ﷺ سے منسوب چادر مبارک، آپ ﷺ کے نعلین مبارک اور آپ ﷺ کے بال مبارک رکھے ہوئے ہیں۔ ساتھ صدر ضیاء الحق کے ہاتھ سے لکھا ہوا قرآن بھی اسی مسجد میں موجود ہے۔

شاعر مشرق علامہ اقبال کا مقبرہ۔۔۔۔۔

مقبرہ علامہ اقبال، سادہ مگر پروقار عمارت ہے، یہ مقبرہ لاہور کے حضوری باغ میں بادشاہی مسجد اور شاہی قلعہ لاہور کے درمیان واقع ہے۔ عمارت کا طرز تعمیر افغان اور مورش طرز تعمیر پر بنیاد رکھتی ہے اور اسے مکمل طور پر لال پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے۔ یہاں روزانہ ہزاروں لوگ شاعر اور فلسفی علامہ اقبال کو خراج تحسین پیش کرنے آتے ہیں۔

شاہی قلعہ لاہور۔۔۔۔۔۔

قلعہ لاہور جسے مقامی طور پر شاہی قلعہ بھی کہلاتا ہے یہ قلعہ شہر کے شمال مغربی کونے میں واقع ہے گو کہ اس قلعے کی تاریخ زمانہ قدیم سے جا ملتی ہے لیکن اس کی از سر نو تعمیر مغل بادشاہ اکبر اعظم نے (۱۶۰۵ء۔۱۵۵۶ء) میں کروائی جبکہ اکبر کے بعد آنے والی نسلیں بھی اس کی تزئین و آرائش کرتی رہیں۔ یہ قلعہ مغلیہ فن تعمیر کا نہایت شاندار نمونہ ہے۔ قلعہ کے اندر واقع چند مشہور مقامات میں شیش محل، عالمگیری دروازہ، نولکھا محل اور موتی مسجد شامل ہیں۔ ۱۹۸۱ میں یونیسکو نے اس قلعہ کو شالامار باغ کے ساتھ عالمی ثقافتی ورثہ قرار دیا ہے۔

شالامار باغ لاہور۔۔۔۔۔۔

شالیمار باغ مغل شہنشاہ شاہ جہان نے لاہور میں ۱۶۴۱ء۔۱۶۴۲ء میں تعمیر کروایا تھا۔ باغ کے ارد گرد اینٹوں کی ایک اونچی دیوار ہے، باغ مستطیل شکل میں ہے۔ یہ باغ تین حصوں میں بٹا ہوا ہے اور تینوں کیاریاں ایک دوسرے سے علیحدہ ہے، ایک حصہ دوسرے سے ۴.۵ میٹر تک بلند ہے۔ تینوں حصوں کے فرح بخش، فیض بخش اور حیات بخش ہیں باغ کو ایک نہر سیراب کرتی ہے، باغ میں ۴۱۰ فوارے ہیں، ۵۰ آبشاریں ہیں اور باغ میں آرام کے لئے عمارتیں ہیں، اور مختلف اقسام کے درخت ہیں۔

"معزز قارئین: آپ بھی پاکستان کی خوبصورت اور تاریخی عمارات کے متعلق اپنی تحاریر، قلم کی روشنی میں بھیج سکتے ہیں۔

☆☆☆

مختصر افسانہ۔۔۔ "آزادی"

مصنف: محمود ظفر اقبال ہاشمی۔ ریاض، سعودی عرب

وہ عجیب سا پاگل تھا۔ پرانا بنیم اُدھڑا ہوا سویٹر پہنے، میلی جگہ جگہ سے پھٹی اور مختلف النواع داغوں سے اٹی پینٹ پہنے جس کا رنگ شاید کبھی خاکی ہوگا چپ چاپ بازار کے ایک تھڑے پر بیٹھا ہر وقت آسمان پر خالی نظریں جمائے نجانے کیا تکتا رہتا تھا۔ اس کے اندر زندگی صرف تب کُھلتی جب وہ پرندوں کی اُڑتی ہوئی کوئی ڈار دیکھ لیتا



یا کسی درخت پر بیٹھے ہوئے کسی پرندے کو دیکھ لیتا۔ یہ منظر دیکھ کر تو جیسے وہ "پاگل" ہی ہو جاتا اور اچھل اچھل کر خوشیوں سے یوں تالیاں پیٹنے لگتا کہ اس کے پاس گزرتے ہوئے لوگ سہم جاتے۔ ان لمحات کے علاوہ اس میں اور اس تھڑے میں کچھ زیادہ فرق محسوس نہ ہوتا جس پر وہ ہر وقت بیٹھا رہتا تھا۔ سکول چھٹی کے بعد ہمیں سکول سے سیدھا اپنے ابا کی کریانہ دکان پر چلا آتا جس کا واحد مقصد یہ ہوتا تھا کہ ابا کو دوپہر کے کھانے کے بعد دو گھنٹے کا ایک بے فکر قیلولہ مہیا کیا جا سکے۔ ابا کی اجازت سے ہمیں ہر روز دوپہر کے کھانے کا کچھ حصہ اور پانی اس پاگل کو ضرور دیا کرتا تھا جسے لیتے ہوئے مجھے اس پاگل کی آنکھوں میں وہی خوشی اترتی محسوس ہوتی جو اس کے اندر صرف پرندوں کو دیکھ کر بیدار ہوتی تھی۔ نجانے کیا وجہ تھی مگر مجھے اس بازار کے آشنا منظروں میں سب سے زیادہ دلچسپی اس پاگل کی حرکات و سکنات میں محسوس ہوتی تھی اور اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہنا میرا محبوب ترین مشغلہ تھا!

اس روز اس بے ضرر پاگل کو نجانے کیا سوجھی۔ جونہی ایک رنگ برنگی چڑیاں بیچنے والا ہاتھ میں پنجرہ تھامے اس کے قریب سے گزرا، اس پاگل نے یکدم جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے پنجرہ چھینا اور وہاں سے بھاگ نکلا۔ چڑیاں بیچنے والے کو اور کچھ سجھائی نہ دیا تو وہ موٹی موٹی گالیاں دیتا ہوا پاگل کے پیچھے بھاگا اور جب اس تک نہ پہنچ سکا تو اُٹھا کر بڑا سا پتھر اسے پیچھے سے دے مارا جو سیدھا اس پاگل کے سر پر جا لگا۔ وہ پاگل پھر بھی نہ رکا اور پنجرہ لئے سرپٹ دوڑتا آن کی آن میں نجانے کہاں غائب ہو گیا!

میں یہ منظر دیکھ کر بہت زیادہ سہم گیا۔ دکان پر پریشان بیٹھا میں اس پاگل کی حرکت پر حیران کم اور اس کے سر پر لگنے والے پتھر کی وجہ سے زیادہ فکر مند تھا۔ کچھ اور سمجھ میں نہ آیا تو دل ہی دل میں اس پاگل کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگنے لگا۔ کوئی ایک گھنٹے بعد وہ پاگل واپس آتا ہوا نظر آیا۔ اس کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ اور ہاتھ میں خالی پنجرہ تھا۔ تب تک اس کے سر سے خون بہہ بہہ کر اس کی پیشانی کو سرخ کر چکا تھا میں تڑپ کر رہ گیا اور سوچے سمجھے بغیر دکان چھوڑ کر بھاگتا ہوا سیدھا اس کے پاس جا پہنچا۔

"انکل۔۔۔ یہ آپ نے کیا کیا۔۔۔ آپ کے سر سے اتنا خون نکل رہا ہے۔۔۔ آپ پنجرہ لے کر کیوں بھاگے تھے؟۔۔۔ سب چڑیاں کہاں گئیں؟"

کچھ دیر جواب دینے کے بجائے وہ گول گول نظریں گھماتا رہا، اپنا چہرہ میرے پاس لا کر پہلی بار اس نے مجھے مخاطب کیا۔ "قید کر رکھا تھا ان چڑیوں کو۔۔۔ سب چڑیاں اُڑا دیں میں نے۔۔۔ اس خبیث کو کیا پتہ۔۔۔ آزادی کیا ہوتی ہے!"

اس واقعے کے بعد وہ پاگل مجھے دوبارہ کبھی اس بازار میں نظر نہیں آیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ کسی نے اس کی شکایت کر دی تھی۔ پاگل خانے والے اسے پکڑ کر لے گئے اور لے جا کر اسے پاگل خانے میں بند کر دیا!

☆☆☆

مقابلہ برائے افسانہ نگاری

"آزادی" کے موضوع پر ترتیب دی گئی سرگرمی

رسالہ "قلم کی روشنی" پیج و گروپ کی طرف سے منعقد کردہ تقریب "جشنِ آزادی" میں "آزادی" کے موضوع پر ترتیب دی گئی سرگرمی مقابلہ برائے افسانہ نگاری کے منصف کے فرائض ادا کیے ہیں مشہور و معروف مصنف محترم جناب محمود ظفر اقبال ہاشمی صاحب نے۔ آپ کا تعارف اپنے معزز قارئین کی نذر پیشِ خدمت ہے۔

"محترم محمود ظفر اقبال ہاشمی رحیم یار خان سے تعلق رکھتے ہیں اور روزگار کے سلسلے میں سعودی عرب کے شہر ریاض میں مقیم ہیں اور پیشے کے اعتبار سے ہیومن ریسورس مینجمنٹ کے سینئر ایگزیکٹو ہیں۔ ۲۰۱۲ء میں شائع ہونے والا ناول "سفید گلاب" آپ کی وجہ شناخت اور شہرت بنا۔ دوسرے ناول "اندھیرے میں جگنو" نے ۲۰۱۵ء میں شائع ہو کر آپ کی شہرت میں چار چاند لگا دیے اور تیسرا ناول "قلم، قرطاس اور قندیل" جو ۲۰۱۶ء میں شائع ہوا قارئین سے بھرپور پذیرائی لی۔ مستقبل قریب میں آنے والے آپ ناولز میں سے 'جناح کا وارث ہوں'، 'شاہکار' ہیں۔ آپ بہت بہترین مصور بھی ہیں اور اس سے بڑھ کر بہترین اخلاق کے مالک کیونکہ آپ کا پیغام "محبت سے جہاں تک پھیلے"۔

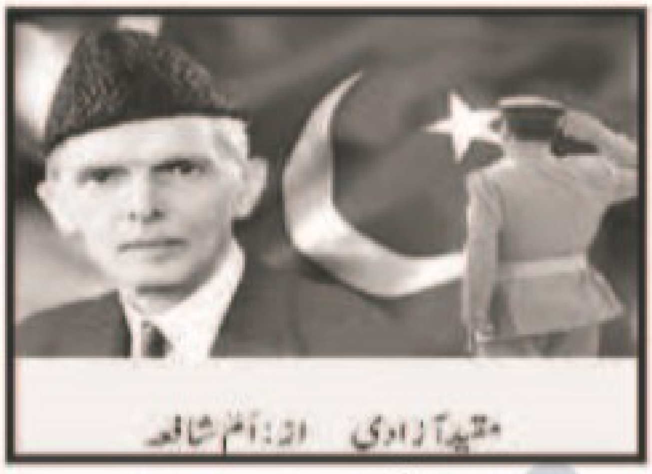
ہم محترم محمود ظفر اقبال ہاشمی صاحب کے ممنون ہیں کہ انھوں نے اپنی مصروفیت سے وقت نکال کر مقابلے میں موصول ہونے والے تمام افسانوں کو پڑھ کر منصفانہ نتیجہ قلمبند کر کے قلم کی روشنی انتظامیہ کے حوالے کیا۔ جزاک اللہ خیرا

مقابلہ برائے افسانہ نگاری میں اول، دوم اور سوم آنے والے تین افسانے:

اول ــ "مقید آزادی"

از قلم اُمِ شافعہ

آسمان پہ ٹم ٹم کرتے تارے چاند کی معیت میں ٹکٹکی باندھے زمین کی جانب دیکھنے میں محو تھے۔ رات کی سیاہی بھی مانند اداس زلف بکھری پڑی تھی۔ نیچے بہت نیچے زمین نامی سیارے کے اک خطے پہ تجسس کی چادر چھائی ہوئی تھی۔ جہاں بہت سی متجسس نگاہیں محو رقصاں تھیں۔ ساتھ میں کچھ پتھر دل بھیانک ارادے لیے مصروفِ انتظار بھی تھے۔



اسی خطے کی اک محل نما عمارت کے اک کمرے میں دیوار کے ساتھ لٹکے سنہری پنجرے میں مقید اک بلبل پر پھڑپھڑا رہی تھی۔ آج کچھ زیادہ ہی بے چینی تھی ہر طرف تو اس بے چینی کے حصار میں وہ پنجرہ بھی آچکا تھا۔ پنجرے کے بالکل سامنے رکھی میز کے اس پار پڑی کرسی پہ بڑی بڑی مونچھوں والا افسر کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ جسے بلبل کا شور بھی حقیقی دنیا میں نہ لا سکا۔ کافی دیر اسی سوچ و بچار میں گزر گئی۔ نہ بلبل کی بے چینی ختم ہو رہی تھی، نہ ہی افسر کی سوچ بچار اور نہ باہر ہزاروں لاکھوں آنکھوں میں بسا تجسس۔ آخر کافی دیر کے بعد افسر کرسی پہ بیٹھے ہی آگے کی اور بڑھا، میز پر پاس پڑے نقشے کو اپنی طرف کیا اور قلم تھام کر اس پر ایک آڑی ترچھی لکیر کھینچی... جس ریاست کی بنیاد سات سال پہلے رکھی جا چکی تھی اسے دنیا کے نقشے پر بھی جگہ دے دی گئی۔ لمبی سانس کھینچ کر کرسی پر سے اٹھ کھڑا ہوا، کھڑکی کے پاس جا کر باہر دیکھتے ہوئے آہستہ سے بولا "پاکستان کو آزادی دی جاتی ہے۔"

سات سال پہلے ۱۹۴۰ء کے ایک جلسے میں بننے والی ریاست اس روز بنی نہیں بلکہ آزاد کی گئی تھی، چلتا ہوا پنجرے کے پاس آیا، دروازے پر لگے سنہری قفل کو کھولا اور بلبل کو آزاد کر دیا۔ بلبل تیزی سے پنجرے سے نکلی، اڑتی ہوئی کھڑکی سے نکلتی باہر کھلی فضا میں آزادی کے گیت گاتی محوِ پرواز ہو گئی۔ سنہری پنجرہ اکیلا جھولتا رہ گیا۔ آسمان میں جہاں جہاں سے بلبل اڑتی جا رہی تھی آزادی کے سُر بکھرتے جا رہے تھے۔ متجسس نگاہوں کی سماعت سے جیسے ہی یہ گیت ٹکرائے، خوشی سرکتی ان نگاہوں میں آن بسی، شکر سے قلوب ہمکنار ہوئے تو سجدوں سے جبینیں مزین ہوئیں۔ اسی سیاہ غلاف سے نظروں کو بھی ڈھانپ دیا گیا اور پتھر دل لیے وحشی انسانوں نے بوڑھے، بچے، عورتوں کی تمیز کیے بغیر ظلم و بربریت کا ناچ شروع کر دیا۔ بلبل سہم گئی، سسکنے لگی اور ننھے ننھے آنسو ٹپکتے رہے۔

پاکستان کی حدود میں اسٹیشن پہ لگے سب سے پرانے درخت کی شاخ پہ بیٹھی لاشوں سے بھری ٹرینوں کو آتے دیکھتی رہی۔ "آزادی ایسے ہی تو نہیں مل جاتی" بوڑھے بابا جی کی آنسوؤں سے تر لرزتی آواز سنائی دی، جو اسٹیشن پہ کھڑے اپنے سارے خاندان کی لاشوں کو ٹرین سے اتار رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہی بولتے جا رہے تھے۔ دل کو تکلیف ہوئی، ان کے اردگرد جا کر بے چینی سے پر پھڑپھڑانے لگی۔ اسٹیشن کے ساتھ ہی ملحقہ سڑک پہ بے یار و مددگار بچہ بیٹھا رو رہا تھا شاید ماں باپ سے بچھڑ گیا تھا یا وہ شہید کر دیے گئے تھے۔ کدھر کو جاتی، جگہ جگہ لوتھے بکھرے پڑے تھے۔ نغموں کی جگہ مرثیوں نے لے لی تھی۔ وہ اسٹیشن کے اردگرد ہی بے چینی سے چکر لگاتی، اڑتی رہی کہ رات نے اپنے سیاہ پر پھیلا دیے۔ ہر چیز تاریکی میں ڈوب گئی۔ رات کی خاموشی کو کبھی کبھار فضا میں ابھرنے والی ٹرین کی سیٹی امید کی زبان دیتی تو اردگرد بکھرے نفوس دوڑتے، زندگی کی تلاش میں آنے والی ٹرین پہ چڑھ دوڑتے اور پھر کبھی کبھار مشکل سے چلتی سانسوں کو بچا بھی لیا جاتا یونہی لٹے پٹے قافلے آتے رہے، گھر بستے رہے اور ملک آباد ہوتا رہا۔

رفتہ رفتہ آنسوؤں کی جگہ قہقہوں نے لی... اداسیاں مسکراہٹوں میں تبدیل ہوئیں۔

بچھڑ جانے والوں کی بوسیدہ قبروں کے ساتھ ساتھ ان کی یادیں بھی منتقل ہونے لگیں۔ اس آزاد ریاست میں جہاں نئی زندگیاں سانس لینے لگیں تھیں وہیں ہجرت کر کے آنے والے اپنی اپنی آخری منزل کی طرف

ہجرت کر گئے۔ نئی نسلیں پروان چڑھیں، رجحانات تبدیل ہوئے، ترجیحات بدلیں، بڑی بڑی عمارتیں بن گئیں، سڑکیں، موٹر وے، پل بن گئے، دینی و دنیاوی تعلیم و تربیت کے مراکز، انڈسٹریز، زراعت ہر چیز پر بتدریج کام ہوتا رہا۔ ترقی کا عمل آہستہ آہستہ جاری رہا۔ غرضیکہ نومولود ریاست بہت دہائیوں بعد پوری طرح نہ سہی مگر اپنے قدموں پر کھڑی ہو چکی تھی اور بلبل آزادی اب بھی پاکستان کی آزاد فضاؤں میں اڑتی تھی جب وہ اس ملک کے باسیوں کو کھلی فضا میں سانس لیتے، اپنے شعائرِ اسلامی آزادی سے ادا کرتے دیکھتی تو خوشی سے اس کی اڑان اور اونچی ہو جاتی۔ چہچہاتی، گیت گاتی، آزاد فضاؤں میں قلابازیاں کھاتی پھرتی۔

وہ بھی ایک ایسی ہی سہانی سہ پہر تھی، سورج بادلوں میں ڈھکے ہونے کی وجہ سے موسم میں تھوڑی خنکی تھی، معمول کی اڑان پر بلبل آزادی محو پرواز تھی کہ فضا میں گڑگڑاہٹ محسوس ہوئی، شور آہستہ آہستہ قریب آتا جا رہا تھا کہ بادلوں کی اوٹ سے ایک بہت بڑی چیز نمودار ہوئی، اس کے بھی دو سرمئی رنگ کے پر تھے، بلبل کا سانس گھٹنے لگا جیسے کسی نادیدہ قوت نے اس کا گلا اپنے شکنجے میں لے لیا ہو، عجیب و غریب ہیبت پر مشتمل پروں والی اس مشین کو اس نے پہلی بار دیکھا تھا جو خود بخود اڑ رہی تھی۔ اس مشینی بلا میں سے مختلف قسم کی آوازیں آنے لگیں، ساتھ ہی داہنے پر کے پہلو سے کوئی بہت بڑی چیز نکل جو شور مچاتی نیچے آبادی کی طرف تیزی سے بڑھنے لگی۔ ابھی بلبل تعاقب میں آدھے راستے پر ہی تھی کہ وہ بڑی سی چیز ایک مکان کے اوپر جا گری۔ زوردار آواز آئی اور پورا مکان منہدم ہو گیا اور آگ لگ گئی۔ چاروں طرف دھواں اور گرد پھیل گئی۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا، بلبل بھی ششدر سی مکان کے گرد چکر لگا رہی تھی، کسی نے پکار لگائی کہ "ڈرون حملہ ہوا ہے"... بلبل آزاد کو جھٹکا لگا... اسے اب سمجھ آئی کہ اس ڈرون نامی بلا کو اپنے قریب پا کر اس کا دم کیوں گھٹنے لگا تھا... اس کے ملک کی آزاد فضاؤں کی خلاف ورزی کی گئی تھی اور پھر تو یہ ایک معمول بن گیا... وہ بلا آتی، ریاست کے شہریوں کو کیڑے مکوڑوں کی طرح کچل کے چلی جاتی اور مذمت و معافی کا کھیل شروع ہو جاتا... آزاد فضائیں مغلوب ہو چکی تھیں اس لیے بلبل آزادی نے بھی اڑنا ترک کر دیا تھا۔

اب وہ کہیں بھی اڑتی نظر نہیں آتی۔ کہا جاتا ہے کہ ڈمہ ڈولہ کے ڈرون حملے میں ۸۰ حفاظ بچوں کی شہادت اور سلالہ چیک پوسٹ ڈرون حملے میں ۲۴ فوجی جوانوں کی شہادت کے بعد آج تک اس بلبل کو کسی نے نہیں دیکھا، ہو سکتا ہے وہ صدمہ برداشت نہ کر پائی ہو... لیکن اڑتی اڑتی خبر آئی ہے کہ اب وہ اسلام آباد کی ایک حکومتی ادارے کے پرتعیش کمرے کے ایک کونے میں لٹکے سنہری پنجرے میں قید ہے جہاں اب وہ آزادی کے نہیں اداسی کے گیت گاتی ہے...!!!

☆☆☆

دوم: "آزادی کیا ہے؟"

ازقلم: صائمہ شعیب۔ لاہور



"یار! تم نے سلمان خان کی سلطان دیکھی؟ کیا زبردست فلم ہے!" یہ آواز ایک پاکستانی نوجوان کی ہے۔

"یار کیا بن داس فلم ہے۔ میں نے تو سینما میں جا کر دیکھی ہے۔ پتا ہے صرف پاکستان میں ۵ کروڑ کا بزنس کیا ہے، صرف اور صرف ایک ہفتہ میں" یہ آواز دوسرے پاکستان نوجوا کی ہے۔

"یار میرا تو بہت دل چاہتا ہے سلمان خان سے ملنے کو۔ یار بہت خوش قسمت ہیں ہندوستان مسلمان وہ سلمان خان سے مل تو سکتے ہیں۔" یہ تیسرے پاکستانی نوجوان کی آواز ہے جو افسوس سے بھری ہوئی ہے۔

"مجھے تو قائدِاعظم پر اور باقی سب جن لوگوں نے ہمیں انڈیا سے الگ کیا ہے، بہت غصہ آتا ہے۔" یہ پہلے پاکستانی نوجوان کی آواز ہے۔

"ہاں! سچ کہتے ہو تم، کیا ملا ہمیں الگ ہو کر؟ یہ لوگ دراصل انڈیا والوں سے جلتے تھے اس لیے الگ ہوئے اور نام مذہب کا بدنام کیا ہوا ہے۔" یہ تیسرے پاکستانی نوجوان کی غصے سے بھری ہوئی آواز ہے۔

"ہاں تو اور کیا مل رہا ہے ہمیں الگ ہو کر۔ ہم ابھی تک وہیں ہیں اور وہ انڈیا والے اتنے آگے پہنچ گئے ہیں اور ہم ابھی تک لوڈ شیڈنگ اور کرپشن میں پھنسے ہوئے ہیں۔" دوسرے پاکستانی کی آواز آئی۔

اور وہیں پر فاصلے پر بیٹھا ہوا میں ان نوجوانوں کی باتیں سن کر سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ کیا یہ پاکستانی ہیں۔ جن کی پہنا اوڑھنا، چال ڈھال اور بول چال سب ہندوستانی ہے جو اپنا اسلامی نام بدل کر ہندو ہیرو کے نام پر رکھ لیتے ہیں۔ نہیں! یہ پاکستانی نہیں ہو سکتے یہ تو ہندوستان سے آزاد ہونے کے باوجود دل سے انہی کے غلام ہیں۔ پر نہیں، ان کا کیا قصور ان کو کیا پتہ ہو آزادی کیا ہے؟

جس ملک میں ہر طرف کرپشن ہو، جب ہر طرف انڈین فلموں کے اشتہار لگے ہوں اور ملک کا وزیرِاعظم غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی انڈیا کے سامراجوں کے پیروں میں گرے گا تو وہاں کے نوجوانوں کی یہی سوچ ہو گی۔

پر کیا واقعی میں ہمارے بڑوں نے اس ملک کو حاصل کر کے غلط کیا؟

اس ملک کو حاصل کرنے میں جن کی جانیں گئیں کیا وہ غلط تھے؟

خود میرا پورا خاندان اس جدوجہد میں مالکِ حقیقی سے جا ملا کیا وہ سب غلط تھے؟

نہیں! وہ سب غلط نہیں تھے، غلط ہے تو یہاں کے لوگوں کی سوچ۔ جن کو آزادی مفت میں مل گئی ہے۔ جنھوں نے آزادی کے لیے ہاتھ پاؤں نہیں چلائے۔ جو پاکستان کو ہلکا لیتے ہیں۔ جو پاکستان کو بُرا بھلا بھی کہتے ہیں اور اپنے عیش کے لیے پیسے بھی یہیں سے لوٹتے ہیں۔ جنھوں نے اس ملک کو حاصل کرنے کے لیے اپنے خون کی قربانیاں دیں وہ کیسے غلط ہو سکتے ہیں۔ یہ قوم آزادی کا مطلب کبھی سمجھ نہیں سکتی۔ آزادی کا مطلب پوچھنا ہے تو فلسطینیوں سے پوچھو جو روز اپنے معصوم بچوں کو، تو کوئی اپنے والدین کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

آزادی کا مطلب پوچھنا ہے تو کشمیریوں سے پوچھو۔ ان ماں باپ سے پوچھو جو اپنے کڑیل جوان بیٹوں

کے جسد خاکی کو پاکستانی پرچم میں لپیٹے ہوئے دفناتے ہیں۔ہم سے تو اچھے کشمیری ہیں جو مار کھاتے ہیں انڈین فوجیوں سے اور پاکستان زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں۔ آزادی کا مطلب پوچھنا ہے تو ان ہندوستانی مسلمانوں سے پوچھو جن کو تم خوش قسمت سمجھتے ہو کبھی ان کی بے بسی دیکھو تو تمھارے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔انھیں وہاں رہنے کی جو بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے یہ کوئی جا کر ان سے پوچھے۔ آزادی کا مطلب پوچھنا ہے تو معصوم عافیہ صدیقی سے پوچھو جس کو اس ملک کے ہی حکمرانوں نے امریکیوں کے ہاتھ بیچ دیا جنھوں نے محافظ ہونے کا دعوا کیا تھا۔

پر نہیں ،تم اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں جو آزاد تو ہے پر اپنے نفس کی غلام ہے۔آزادی کیا ہے یہ ایک آزاد قوم ہی بتا سکتی ہے۔

☆☆

سوم۔۔۔ "شناخت"
از قلم، حفصہ فیصل۔



علی۔۔ اس بار بھی جشن آزادی پہ اپنے دوستوں کیساتھ ہلہ گلہ ،پارٹی ارینج کر رہا تھا،اس بار بھگر بینڈ کو مدعو کیا جا رہا تھا...علی وہاب انصاری کا اکلوتا سپوت تھا، اکلوتا ہونے کے ساتھ ساتھ وہاب انصاری جیسے بائیس گریڈ کے آفیسر کی ساری جائیداد کا وارث سونے کا نوالہ منہ میں لے کر پیدا ہوا ،اپنے آباؤ اجداد کی آزادی مہم میں قربانیوں کو بڑے فخر سے بیان کرتا اور اسی زعم میں اپنے آپ کو پاکستان کا اصل وارث گرداننا اسی فخر کو محسوس کرنے کے لیے ہر سال علی وہاب اپنے دوستوں کو ایک عالی شان پارٹی دیتا اور اس پارٹی میں جو طوفان بدتمیزی ہوتا۔ الامان الحفیظ!

آج اسی پارٹی کی تیاریاں عروج پہ تھی، سارے نوکر بولائے بولائے پھر رہے تھے، علی کسی قسم کی بھی کمی برداشت نہیں کرتا تھا۔ سارا لان برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔علی اپنی مراعات پہ دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا،اور ہر سال اس پارٹی کو منفرد بنانے کے لیے لاکھوں روپے خرچ کیے جاتے چونکہ وہاب انصاری سرکاری افسر تھے اس لیے میڈیا بھی اس پارٹی کو خصوصی ہائی لائٹ کرتی تھی۔اسی وجہ سے وہاب انصاری بھی بیٹے کے ساتھ اس پارٹی روپیہ پانی کی طرح بہاتے۔

انیلا بیگم،علی کی دادی، وہاب انصاری کی والدہ جنھوں نے آزادی کی خاطر اپنے ماں جایوں پیاروں کو کٹتے اور لٹتے ہوئے دیکھا اور سب سے بڑھ کر اپنی کوکھ کی پہلی اولاد زرینہ انصاری کو اس آزادی کی بھینٹ چڑھایا، جب بلوائیوں نے گاؤں پر دھاوا بولا اور ننھی زرینہ ان کے نیزے کی انی پہ روئی، تڑپی اور بلبلائی مگر انصاری صاحب انیلا کو لیے ٹرنک میں چھپے تھے اور انیلا بیگم کے منہ کو سختی سے دبا رکھا تھا۔انیلا بیگم کے بہل بہل آنسو بہہ رہے تھے اور اس پر ستم یہ کہ اپنی بچی کی لاش کو چھوئے بغیر ہی بے سروسامانی کی حالت میں وہ گھر کو چھوڑ کر نکلے سارا راستہ انیلا بیگم بلکتی رہیں۔ اپنی ننھی پری کو وطن پر وار آئیں تھیں ۔آزادی ایسے ہی تو نہیں ملتی، آزادی تو قربانی مانگتی ہے اور اس خراج میں قومیں جیتی، پلتی اور پنپتی ہیں۔

ون ،ٹو، تھری......فائر

ٹھا ٹھا ٹھا۔۔!!

فائر کی لگاتار آواز سے انیلا بیگم دہل کر یادوں کی دنیا سے لوٹیں، مگر پھر اپنے پوتے کے ہر سال کے وطیرے کو سمجھ کر ٹھنڈی آہ بھر کے ڈھے گئیں۔

کاش۔کاش۔..!!!

علی تم جان پاتے ،یہ آزادی ہمیں کتنی قربانیوں کے بعد ملی ہے۔کاش تم اس درد، کرب اور دکھ کو محسوس کر سکتے جو آدھی صدی سے مجھے ڈس رہا ہے۔اپنوں کی جدائی، خون کے دریا اور دوشیزاؤں کی عصمتوں کی دھجیاں کیسے اڑائی گئیں تھیں اس مٹی کو پانے کی خاطر...کاش۔کاش...!!!

میں نے تمھارا نام بھی علی قائد اعظم کے نام پر رکھا جنھوں نے اپنا تن، من اور دھن سب اس وطن عزیز پہ وار دیا۔

" کم آن گائیز لیٹس ڈانس"

دل دل پاکستان

جاں جاں پاکستان

مخلوط محفل میں جہاں گانا "دل دل پاکستان" گایا جا رہا تھا مگر نسل نو کے نوجوان اپنے دل ان دوشیزاؤں پہ ہار رہے تھے جو ان کے ساتھ جھوم رہی تھیں۔انیلا بیگم اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر لان کا منظر دیکھ کر کانپ گئیں۔

"اماں ۔۔اماں۔۔"

یہ سمو کی آواز تھی جو ہندو دشمنوں سے اپنی عصمت بچانے کے لیے کنویں میں کود گئی تھی۔انیلا بیگم کی چچا زاد تھی۔

"میں رویل کی زبان کھینچ لوں گا اس نے میری بہن کا نام اپنی گندی زبان سے کیسے لیا۔" اسلم بھائی کی آواز انیلا بیگم کی سماعتوں میں گونجی۔ایسے عزتوں کے محافظ جو بہنوں کے نام لینے والوں کی زبانیں کھینچ لیتے تھے مگر اس آزادی نے ہمیں کیسی منافقت بھی خوشی مہیا کر دی ہے؟

کیسے محافظ مرد اور کیسی عفت والی عورتیں تھیں..!!

یہ کیسی بے خوف بیٹیاں ہیں یا الہی !اور یہ کیسے بے غیر مرد ہیں؟یا رب!

یہ آزادی کا جشن ہے یا غلامی کا؟؟

انیلا بیگم تڑپ سی گئیں مگر اس درد کو بھی وہ دل ہی میں جگہ دے سکیں تھیں۔بولنے پر دقیانوسی اور تنگ نظر جیسے طعنے سننے کو ملتے۔

"علی وہاب کی سیلی آ رہی ہے اور وہاب انصاری نے یہ خبر سن کر اودھم مچا دینا ہے پروفیسر باری"۔ پروفیسر اکمل شاہ سے اپنا اندیشہ بیان کر رہے تھے۔

"ہاں بھائی ایسے امیر باپوں کے نالائق سپوت وطن عزیز کے میرٹ کوٹے کو دیمک کی طرح چاٹ گئے ہیں۔"

"آہ ہا"۔ پروفیسر اکمل شاہ نے افسوس سے ہنکارا بھرا۔

"مگر جناب اس دھاندلی پہ قابو کیسے پایا جائے؟" پروفیسر باری پر سوچ انداز میں بولے۔

"اس کا واحد حل یہ ہے کہ وہاب انصاری اور ان

جیسے تمام آفیسروں کو شوٹ کر دیا جائے۔ آہ!" اور پھر وہ اپنی ہی بات پہ قہقہہ لگا رہے تھے۔

"بھائی یہاں آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔" پروفیسر ہمدانی بھی شامل گفتگو ہو گئے۔

"بس اسی وجہ سے تو ذہین طلبا پیچھے رہ جاتے ہیں اور وطن عزیز کالی بھیڑوں کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔"

اور پھر علی کے ایسے رزلٹ کو دیکھ کر وہاب انصاری کو ایک فیصلہ کرنا پڑا۔ "اماں، میں علی کو ہائر اسٹڈیز کے لیے باہر بھیج رہا ہوں۔" وہاب انصاری نے ماں کو خبر سنائی

"مگر کیوں؟" انیلا بیگم اکلوتے پوتے کی جدائی کا سوچ کر پریشان ہوتے ہوئے بولیں،

"اماں! اس ملک میں کوئی مستقبل نہیں ہمارے بچوں کا۔" وہاب انصاری نخوت سے بولے۔

"مگر بیٹا اسی ملک نے ہمیں ایک الگ نام اور شناخت دی ہے ہمارے اپنوں کے لہو سے اس وطن کی بنیادیں سینچی گئیں ہیں۔۔ایسا مت بولو بیٹا!!!" انیلا بیگم، تڑپ کر بولیں اماں ایک تو آپ سے کوئی بات کرو، آپ وطن نامہ لیکر بیٹھ جاتی ہیں۔" وہاب انصاری تن فن کرتے اٹھ کھڑے ہوئے اور انیلا بیگم کف افسوس ملتی رہ گئیں،

☆ پندرہ سال بعد

ان سالوں میں انیلا بیگم اپنی مٹی میں مٹی ہو گئیں۔ علی وہاب امریکہ ایسا سدھارا کہ پھر وہاں سے پلٹنا ہی بھول گیا۔ علی کو وہاب انصاری نے باہر کے ملک میں ہی کاروبار شروع کیا اور پھر قسمت نے یاوری کی اور علی کا کاروبار چل پڑا اور وہ ڈھیروں کو زر کما کما کے دینا گیا، اسی دوران علی کی ملاقات جنیفر سے ہوئی جسے سب جینی کہتے تھے۔ جینی ایک بزنس وومن تھی۔ علی انصاری سے کاروباری روابط بڑھے اور پھر یہ رابطے کاروباری سے نجی نوعیت اختیار کر گئے۔ اہل کتاب سے شادی وہاں ایک عام چیز سمجھی جاتی ہے، اور پھر علی اور جینی ایک ہو گئے۔

"پاپا میں نے جینی سے شادی کر لی ہے۔۔وہ مجھے بے حد پسند تھی۔" علی نے باپ کو اطلاع دینے والے انداز میں کہا۔

"بیٹا! میں نے آصف چوہدری کی بیٹی کو بہو بنانے کے بارے میں سوچا تھا۔ ہمارا خون میں اہل کتاب کا خون شامل ہو نہیں بیٹا!!!" وہاب انصاری دلبرداشتہ لہجے میں بولے۔

پاپا آپ کب سے ایسے دقیانوسی بن گئے، زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا اور اب اہل کتاب سے شادی تو عام ہے۔" علی بیزاری سے بولا

"بیٹا شادی ہی کرنی تھی تو پہلے اسے اسلام میں تو داخل کروا لیتے تاکہ آنے والے اولاد کی کچھ تو وابستگی ہوتی مذہب سے۔" وہاب انصاری ٹوٹے لہجے میں بولے۔

"اوہو پاپا ریلیکس، وہ جلد ہی مسلم ہو جائے گی۔" ،اور اس طرح علی وہاب انصاری کو مسلسل تسلیاں دیتا رہا۔

سال بعد پوتی کی صورت میں علی باپ کے درجے پہ فائز تو ہوا مگر جینی اور علی کے اختلافات اتنے بڑھے کہ دونوں میں علیحدگی ہو گئی۔ بچی ماں کی تحویل میں دے دیا گیا۔

وہاب انصاری پوتی کو کھلانا چاہتے تھے۔ اب وہ عمر کے اس حصے میں قدم رکھ چکے تھے جہاں انسان آرام کے ساتھ ساتھ اپنے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کو کھلانا چاہتا ہے، اور اپنی فیملی کے ساتھ اپنے بقیہ ایام زندگی کو خوشگوار انداز سے بتانا چاہتا ہے مگر وہاب انصاری بہت دلعہ امریکہ بیٹے سے مل آئے۔ پہلے پہل تو امریکہ سے واپسی پہ وہاں کے معیار اور انتظام کے ذکر سے ہی انکی پاکستانی محفلیں آباد تھیں۔ مگر آہستہ آہستہ تنہائی کا ناگ اپنے پھن پھیلاتا گیا، بیوی تو جوانی ہی میں داغ مفارقت دے گئی تھی۔ اب ان کی ہر خوشی اور امید علی ہی سے وابستہ تھی۔ اور اب وہاب انصاری علی سے وطن لوٹ آنے کی منتیں کرنے لگے۔

"پاپا اس ملک نے ہمیں دیا ہی کیا ہے؟ کرپشن، ناانصافی، چور بازاری" علی اسکائپ پہ بات کرتے ہوئے وطن کو کوس رہا تھا۔

"نا بیٹا نا!!! اسی وطن نے تو ہمیں اپنا نام اور شناخت دی ہے اور اس کی مٹی کو ہمارے اپنوں کے لہو سے سینچا گیا ہے۔" وہاب انصاری کو ایسا لگا کے انیلا بیگم کی زبان ان کے لہجے میں گھل گئے ہے۔

"لیو، مٹی، مائی فٹ" علی تن فن کرتا آف لائن ہو گیا۔ یہ وہی علی تھا جو بڑے فخر سے اپنے آباؤ اجداد کی قربانی کی داستانیں محفلوں میں شیئر کیا کرتا تھا۔ جشن آزادی کی سب سے منفرد تقریب منعقد کرتا تھا اور آج اسی وطن میں اسے بے شمار عیب، نقص اور کیڑے نظر آ رہے تھے اور وہاب انصاری اشکوں کی لڑیاں بہاتے رہے۔

اے وطن، اے دھرتی ماں میں تجھ سے بہت شرمندہ ہوں میں اپنی نسلوں کی تربیت نہ کر سکا، میں نے اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں سے تجھ سے دور کر دیا۔ مجھے معاف کر دے۔ مجھے معاف کر دے اور پھر انیلا بیگم کو یاد کرتے رہے۔ ماں میں نے اپنی بہن کے خون کو بھلا دیا تم ٹھیک کہتی تھی کہ میں خود غرض ہو گیا ہوں، میں نے اسی خود غرضی میں اپنی اولاد کو بھی کھو دیا۔ اور پھر بیماریوں کے روگ اور پچھتاووں کی آگ میں جلتے جلتے ایک دن وہاب انصاری کوچ کر گئے۔

علی انصاری کو کال کی گئی مگر انھوں نے طویل سفر کا عذر تراشا اور بیٹے کے کندھے کے بغیر ہی وہاب انصاری لحد میں اتار دیئے گئے۔ وہاب انصاری آج منوں مٹی "سپرد خاک کر دیے گئے"

اخبار کے اندرونی صفحہ پہ خبر شائع ہوئی اور آخر وہاب انصاری بھی مٹی میں مٹی ہو گئے۔۔علی کو ایڈووکیٹ ہمدانی صاحب کا فیکس موصول ہوا۔

"موصوف علی وہاب! آپ کو اپنے والد کی جائیداد کی اتھارٹی لینے کے لیئے آپ کو چند دن پاکستان آنا پڑے گا۔۔کچھ ضروری ڈاکیومنٹس سائن ہونگے پھر ساری جائیداد آپ کے نام منتقل ہو گی۔"

اوہو! پاپا نے بھی مجھے بالآخر پاکستان واپس بلانا ہی تھا۔ علی بے دلی سے پاکستان جانے کی تیاری کرنے لگ کیونکہ ایک مہینے کا الٹی میٹم تھا ورنہ ساری جائیداد ٹرسٹ کو دیدی جاتی۔ کیسے کیسے گھپلے، دھاندلیاں اور چور بازاریاں کر کے وہاب انصاری نے یہ جائیداد بنائی تھی اور اب یہ سب علی کو ملنی تھی۔۔۔وطن کو کھوکھلا کر کے اپنے بیٹوں میں آگ بھری تھی۔

"یس، مسٹر علی انصاری چیک آؤٹ یور بیگ!" امیگریشن آفیسر نے علی سے ترشی سے کہا

"آئی ہیو ناٹ اینی ٹاکسس" علی بولا

"بٹ آئی سیڈ شو یور بیگ" آفیسر نے آنکھیں نکالیں۔

"یو پیگ!" علی چلایا "یو باسٹرڈ پاکستانی"

"ڈونٹ سے پاکستان۔۔۔" علی پاکستان کے نام پہ تلملایا۔

"ہم، اوپاکستانی میریسٹ" آفیسر طنزیہ ہنسا۔

"علی کا بیگ زبردستی چیک کیا گیا کچھ نہ ملنے پہ بھی اس سے معذرت نہیں کی گئی مگر علی کے دل میں آج اپنے وطن کی قدر اور محبت نے ایسا جوش مارا کہ ایک لمحے میں اس نے ایک فیصلہ کر لیا۔ اور اب اسے اپنے وطن، اپنی مٹی کو چھونے کی جلدی تھی۔۔۔ وہ اب اپنے وطن کے نام پہ آنچ نہیں آنے دے گا۔ اسی وطن نے تو اسے ایک الگ نام اور شناخت دی تھی۔ اتنے سال امریکہ کو دینے کے بعد بھی یہ امریکی اس کے وطن کو گالی دیں۔ نہیں اب میں اپنے وطن کو مستحکم کروں گا غیروں کو کیوں اپنا خون پسینے کا خراج دوں اور پھر علی انصاری نے باپ کی کمائی رقم سے ٹرسٹ قائم کر دیا کہ غریبوں کا مال غریبوں کو ہی لوٹانا تھا۔

دادا، پاپا! آپ سچ کہتے تھے اس وطن نے ہی ہمیں نام اور شناخت دی ہے۔ ہم کہیں بھی چلے جائیں ہمیں لوٹنا اسی مٹی میں ہے۔ دیکھیں پاپا میں لوٹ آیا اور علی وہاب صاحب کی قبر سے لپٹ کر رونے لگا آج انیلا بیگم کی روح اپنے وطن کے آگے سرخرو ہو گئی تھی۔

"ادھ کھلی کلیاں"

ازقلم: نایاب علی

۱۴ اگست کی چلچلاتی ٹھنڈی صبح خوشی سے آزادی کا پیغام دے رہی تھی۔ فضا میں اڑتے پرندے اپنے اپنے راگ الاپتے یوم آزادی منا رہے تھے۔ سبز ہلالی پرچم ٹھنڈی میٹھی ہوا کے سنگ فخر سے سینہ تانے جھوم رہا تھا۔ سبز و سفید چھوٹی جھنڈیاں ہوا کے ساتھ اٹھکیلیاں کر رہی تھیں۔ اسپیکروں سے ہر جانب ملی نغموں کی گونج سنائی دے رہی تھی اور ہر طرف پر مسرت ماحول تھا۔ ۱۰ سالہ احمر ۱۲ سالہ ارحم اپنے بابا سے ضد کر کے بازار سے جھنڈیاں اور اگست کے حوالے سارے اسٹیکر خرید کر لائے تھے اور فرط محبت سے ان جھنڈیوں کو چومتے جا رہے تھے۔ "آج تم دونوں نے باہر کہیں نہیں جانا، سمجھ رہے ہو نا میری بات؟" نصر نے سختی سے ہدایت کی اور اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوا "انہیں باہر نہیں جانے دینا۔ گھر پہ ہی جھنڈیوں سے کھیل لیں گے۔" سخت لہجے سے ہدایت کرتا ہوا گھر سے نکل گیا۔ اسے آج کام پر جانے کی جلدی تھی گھر سے خوشی خوشی روانہ ہوا کیوں کہ آج اس کا بہت بڑا منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچنے والا ہے۔ کام کی تکمیل پر اسے بہت بڑی رقم بطور انعام موصول ہوگی نصر نے پچھلے ایک سال سے یہ کام شروع کیا تھا اس سے وصول ہونے والی رقم سے گھر کا خرچ چلتا تھا مگر یہ کام سب سے پوشیدہ تھا۔ "باس! آج ہمارا بہت بڑا مشن پایہ تکمیل کو پہنچنے والا ہے اس خوشی میں ایک شاندار پارٹی ہونی چاہیے۔" اس نے مکروہانہ مسکراہٹ سے کہا۔ "ہاں ہاں! کیوں نہیں۔۔۔ ضرور ہوگی۔" باس نے خباثت سے جواب دیا۔

اس نے ایک سال پہلے ہی اس جرائم پیشہ گروہ میں شمولیت اختیار کی تھی اور آج ایک سال کے بعد اس کا منصوبہ مکمل ہونے کا دن آ گیا۔ "تمہیں تمام سامان لے کر وقت سے پہلے پہنچنا ہے۔۔۔ خیال رہے کسی کو ذرا برابر شک نہ گزرے۔" باس نے ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

"جی باس۔" نصر نے متودبانہ انداز سے کہا۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا سوئی اسٹیڈیم پہنچا جہاں جشن آزادی کے موضوع پر بہت بڑی تقریب تھی۔ اس تقریب میں بڑی بڑی شخصیات سے لے کر مدرسوں کے چھوٹے چھوٹے بچے تک شامل تھے۔ اسٹیڈیم لوگوں سے کھچا کھچ بھرنے لگا۔۔۔ ننھے ننھے معصوم فرشتے ہاتھوں میں سبز و سفید پرچم لیے جھوم جھوم کر ملی نغمے گا رہے تھے۔ سبز و سفید امتزاج سے اسٹیڈیم کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ آزاد پنچھی اسٹیڈیم کے اوپر کھلے آسمان پر گھومتے ہوئے آزادی کا پیغام دے رہے تھے، ملی نغموں کی آواز نے ماحول کو مسحور کن بنا دیا تھا اور جگہ جگہ کھانے پینے کی دکانیں لگی ہوئی تھیں۔

اس نے بڑی مہارت سے سامان اسٹیڈیم کے چاروں کونوں اور اطراف میں مختلف جگہوں پر چھپا دیا۔ سامان رکھ کر وہ کسی حد تک مطمئن تھا مگر اسکے اندر کا رحمدل آدمی چیخ چیخ کر اسے اس حرکت سے روک رہا تھا اور پاؤں پڑ کر منت سماجت کر رہا تھا۔

کیوں اتنے گھر اجاڑ رہے ہو؟
کیوں ماؤں کی کوکھ خالی کر رہے ہو؟
تمہیں رحم نہیں آ رہا؟
تمہارا دل ایک بار بھی نہیں لرزا؟ مت کرو یہ سب!!

مگر باہر والا سفاک آدمی مکروہانہ ہنسی ہنس رہا تھا۔

ابھی کچھ دیر بعد اس سبز ہلالی پرچم کے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ سبز و سفید لباس میں ملبوس جھنڈیاں لہرانے والوں کے چیتھڑے ہوا میں اڑیں گے۔ نغموں کی آواز بند ہو کر یہاں مکمل خاموشی ہو جائے گی۔ یہ کھانے پینے والی دکانیں نیست و نابود ہو جائیں گیں۔"

اس نے سوچا جھوم جھوم کر ملی نغمے گانے والے یہ ننھے فرشتے نہیں جانتے تھے کہ کچھ ہی دیر میں ان پر کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ وہ خوشی خوشی ادھر ادھر چہک رہے تھے۔ خوش گپیوں میں مصروف لوگ نہیں جانتے تھے کہ یہ انکی آخری ملاقات ہے۔ اس کے اندر کا رحمدل آدمی ایک بار پھر اسکی منت سماجت پر اتر آیا۔ "مت کرو یہ سب، تمہیں ڈر نہیں لگتا اتنی زندگیوں سے کھیلتے ہوئے؟ اگر تم بچنا چاہتے ہو تو چلے جاؤ یہاں سے ورنہ تم بھی روندے جاؤ گے۔" سفاک آدمی نے جھڑکتے ہوئے کہا وہ رحمدل آدمی ہر ایک ایک کے پاس جا کر اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر اسے وہاں سے بھاگنے کا کہتا مگر اس کی آواز کسی کو نہیں آ رہی تھی۔ وہ سفاک آدمی اسٹیڈیم سے باہر کھڑا قہقہے لگا رہا تھا۔ "بس کر لی تم نے اپنی سی کوشش۔۔۔ ابھی بھی وقت ہے تم جاؤ یہاں سے۔" اس نے اندر کے رحمدل آدمی کو للکارا۔ وہ رحمدل آدمی دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا اور کہے جا رہا تھا "کوئی تو میری بات سن لو، موت کے سائے تم پر منڈلا رہے ہیں۔"

تقریب شروع ہو چکی تھی اسٹیڈیم کے دروازے ہر طرف سے بند کر دیے گئے۔ وہاں موجود لوگوں کی زندگی کی چابی اس وقت اس ظالم آدمی کے ہاتھ میں تھی اسکا ریموٹ ہاتھ میں پکڑے فخر سے اسٹیڈیم کے باہر کھڑا سب دیکھ رہا تھا۔

تلاوت قرآن کے بعد تقریب کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ مختلف مدرسوں کے ننھے بچے اسٹیج پر تشریف لائے۔۔۔ ہاتھوں میں سبز و سفید ہلالی پرچم لہراتے ملی نغمہ پیش کر رہے تھے

"ہم متوالے۔۔۔ دھرتی کے رکھوالے
ایک خدا کے آگے جھکنے والے
وعدے نہ توڑیں گے ہم پیار کے
رکھ دیں گے تجھ پہ جاں وار کے
ہم کو آواز دے تو
پھر چاہے جان لے تو
تجھ پر ہی مٹ جائیں گے"

ننھے معصوم فرشتے اس ملی نغمے کو پیش کر رہے تھے۔

بوووم!!! بوووووم!!! ایک دردناک آواز فضا میں گونجی اور اسٹیڈیم چیخوں کی دل سوز آوازوں سے بھر گیا۔ ننھے فرشتوں کے چیتھڑے ہوا میں اڑ رہے تھے۔ جھوم جھوم کر آزادی کے نغمے گانے والے پرندے ہمیشہ

آپ کا باورچی خانہ

انچارج
عظمیٰ فردوس
جدہ، سعودی عرب

باورچی خانہ وہ جگہ جہاں ناشتہ، ظہرانہ اور عشائیہ تیار کرتے ہوئے ایک خاتونِ خانہ دن کا بیشتر وقت گزارتی ہے۔ ہر صبح آنکھ کھلتے ہی ایک فکر جو روزانہ اس کے سامنے زلفیں بکھرائے سوالیہ نظروں سے دیکھتی ہے اور سر پر سوار ہو جاتی ہے۔۔۔ ''آج کیا پکائیں؟؟''

اگر کچھ سمجھ میں آجائے تو ''محترمہ فکر'' کمبل اوڑھ کر لمبی تان کر سو جاتی ہے یہاں تک کہ اگلی صبح خاتونِ خانہ اٹھ کر واش بیسن کے سامنے کھڑی ہو کر سوچنا نا شروع کر دے کہ ''آج کیا پکانا ہے؟'' جیسے ہی ''کیا پکانا'' سوچا نہیں اور محترمہ حسینہ فکر بھرپور مسکراہٹ لبوں پہ سجائے لپک لپک کر پل بھر میں آنکھوں کے سامنے کھڑی ہو جاتی اور پھر وہی سوالیہ نظریں۔۔۔!!! اور ساتھ ہی خاتونِ خانہ ہمکلامی میں بڑبڑانا شروع کر دیتی ہے۔۔۔ ''کیا پکانا ہے؟؟ روز روز سمجھ نہیں آتی کیا پکاؤں؟؟''

جی واقعی کھانا پکانا مشکل کام نہیں۔۔ مشکل کام تو یہ سوچنا ہے کہ پکایا کیا جائے۔۔۔؟؟

آپ بھی سوچیں کیا پکانا ہے؟ تب تک ہم آپ اس سلسلے میں شامل کی گئی کھانے کی ترکیبیں ایک نظر دیکھ لیں ہوسکتا ہے آپ کا آج ''کیا پکانا ہے'' کا مسئلہ حل ہو جائے۔

ہم نے پیج وگروپ ''قلم کی روشنی'' کی جانب سے ماہِ رمضان سے پہلے فیس بک پر ایک تقریب ''عید اسپشل'' جو کہ رمضان کے مہینے اور عید کے حوالے سے تھی منعقد کروائی اور اس میں افطار ریسپیز کا ایک مقابلہ رکھا گیا تھا، تقریب میں شامل شرکاء بیحد جوش و خروش سے اس مقابلے کا حصہ بنے اور اس مقابلے میں جتنی بھی ریسپیز اکٹھی ہوئیں وہ تمام کی تمام لاجواب تھیں لیکن قواعد و ضوابط کو مدِ نظر رکھتے ہوئے صرف تین کو ہی چننا تھا۔ اس مقابلے کے منصف تھے محترم شیف جناب محمد نور صاحب جنھوں نے اپنی مصروفیت سے ہمارے رسالے کے لئے خاص وقت نکال کر ان تمام ریسپیز کو نہایت ایمانداری سے پڑھتے ہوئے منصفانہ فیصلہ سنایا اور یہ مشکل فریضہ سرانجام دیا۔ جیتنے والی پہلی تین ریسپیز ملاحضہ فرمائیں

خاص پکوان
☆اول آنے والی کھانے کی ترکیب



☆ ''اسکاچ ایگز''

اجزاء درکار:

چکن قیمہ : 1/2و

ابلے انڈے: 6 عدد

ہری پیاز: 2 عدد

نمک: حسبِ منشاء

کالی مرچ: 1/2 چائے کا چمچ

چائنیز نمک: 1/3 چائے کا چمچ

ہری مرچیں: 2 عدد

لال مرچ: 1 چائے کا چمچ

لہسن: 1 چائے کا چمچ

انڈے (کوٹنگ کے لئے): 2 عدد

بریڈ کرمز: حسبِ ضرورت

تیل فرائی کے لئے

طریقہ: سب سے پہلے قیمہ میں تمام مسالحے ڈال کر مشین میں پیس لیں پھر ایک ابلا انڈا لیں اور اسے قیمہ کا ایک پیڑا لے کر اس میں اچھی طرح لپیٹ لیں (قیمہ کی تہہ تھوڑی موٹی ہو)۔ اب ایک برتن میں تھوڑے سے نمک اور کالی مرچ کے ساتھ دو انڈے پھینٹ لیں اور ایک میں کرمز رکھ لیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کر لیں اور قیمے کے کوفتے کو پہلے انڈے میں لپیٹ لیں پھر کرمز میں لپیٹ کر گہرے تیل میں سنہرے تیل لیں۔ چٹنی کے ساتھ کاٹ کر گرما گرم پیش کریں۔

(شگفتہ شہزاد۔۔۔ الباما، امریکہ)

مقابلے میں دوسری پوزیشن لینے والی ریسپی
''متکبک''



اجزاء درکار:

چکن کا قیمہ: 1 پاؤ

لال مرچ پاؤڈر: حسبِ منشا

نمک: حسبِ منشا

نوڈلز (میگی، اندومی، کنور): 3 پیکٹ

سبز پیاز: 3 عدد انڈے: 4 عدد

طریقہ: قیمہ میں نمک اور مرچ ڈال کر اچھی طرح بھون کر تیار کر لیں اور ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دیں۔ اب نوڈلز لیں اور اس کے دیئے گئے مسالہ پیکٹ کے ساتھ ان میں اتنا پانی ڈالیں کہ وہ کھڑے کھڑے پکیں، پانی بھی خشک ہو جائے اور ڈھلکے ہوئے بھی نہ ہوں پھر ان کو بھی ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دیں۔ اب ایک بڑا باؤل لیں اس میں قیمہ، نوڈلز اور کٹی ہوئی باریک پیاز ڈال کر اس کو اچھی طرح یکجان کر لیں۔ اب اس آمیزے میں ایک ایک کر کے انڈے ڈال دیں یہاں تک نوڈلز کا آمیزہ انڈے میں ڈوب جائے۔ اگر چار انڈے کم پڑیں تو آپ اور بھی ڈال سکتے ہیں۔ اب آمیزے کو ایک دفعہ پھر اچھی طرح ہلا کر فرائنگ پین میں تھوڑا سا تیل ڈال کر گرم ہوتے ہی ڈال دیں اور اس کو آملیٹ کی طرح بناتے ہوئے پین کو ڈھک کر ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔ ایک طرف سے پکنے پر احتیاط سے دوسرے طرف پلٹ کر اسے بھی ڈھک کر پکائیں۔ سنہرا ہوتے ہی پلیٹ میں نکال کر گرم گرم کچپ کے ساتھ پیش کریں۔ (صائمہ شعیب۔۔۔ لاہور، پاکستان)☆

بقیہ وسطی رنگین صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

کے لیے خاموش ہو چکے تھے۔ بلی نغموں کی آواز سے گونجنے والا اسٹیڈیم چیخ و پکار سے بھر گیا۔ ٹھنڈی ہوائیں جو آزادی کا پیغام دے رہی تھیں وہ اب موت کا سندیسہ دے رہی تھیں۔ کتنی کلیاں اس نے کھلنے سے پہلے ہی مسل دی، جلنے سے پہلے ہی کتنے دیے بجھا دیے۔۔ کتنی شمعیں روشن ہونے سے پہلے ہی گل ہو گئیں تھیں۔

تھوڑی دیر پہلے خوشی و مسرت سے گونجنے والے اسٹیڈیم میں صف ماتم بچھ گیا۔ اسکے اندر کا رحمل آدمی بھی مر گیا۔ وہ اس منظر کو دیکھنے کے مزید وہاں نہیں رکا۔ جلدی سے گاڑی میں بیٹھ کر اڈے کو روانہ ہوا۔ جہاں سب اپنی فتح کا جشن منا رہے تھے۔ اسکی آنکھوں کے سامنے پیسوں کے ڈھیر لہرا رہے تھے جو ابھی اسکو ملنے والے تھے۔

''آج ہم تم سے بہت خوش ہیں۔'' باس نے خوشی سے گلے لگایا، فخر سے اس کا سینہ بلند ہو گیا۔

ٹرن.....ٹرن.....!!! اسکے موبائل کی بیپ بجی، جیسے ہی اس نے موبائل کان سے لگایا اسے کسی کے رونے اور سسکنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اور لمحہ بہ لمحہ سسکیوں کی آواز بڑھتی جا رہی تھی۔

''نصر ہمارے۔۔۔سب۔۔سب۔۔بچے۔۔'' سسکیوں سے بھری کی آواز گلے میں رندھ گئی۔۔وہ رو رو کر بے حال ہو رہی تھی۔

''کیا ہوا بچوں کو۔۔؟؟؟'' نصر نے بے تاب ہو کر پوچھا۔

''وہ میرے منع کرنے کے باوجود چپکے سے ہمسائے کے بیٹے نبیل کے ساتھ اسٹیڈیم چلے گئے تھے۔''

سسکیوں اور ہچکیوں میں رندھی آواز سن کر پاؤں تلے سے زمین سرک گئی۔ سر پر آسمان آن ٹوٹا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

دوسروں کی گود اجاڑنے والا آج خود تہی دامن تھا۔ اسے کمرے میں موجود کسی کی بھی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اسکی قوت سماعت جواب دے گئی تھی۔ خود کو کسی پاتال میں گرتا محسوس کیا۔ اسکا یخ بستہ وجود تھر تھر کانپ رہا تھا۔ لوگوں سے زندگیاں چھیننے والا آج خود بے جان پڑا تھا۔ اس بے رحم کو نہیں معلوم تھا کہ تقدیر کیا مذاق کرنے والی ہے۔ دوسروں کی آنکھوں کی ٹھنڈک چھیننے والا خود اندھا ہو چکا تھا۔

☆☆☆

بقیہ مزاج کے رنگ

پڑھ کر اور سننے والا سن کر آنکھوں سے آنسوؤں کو کچھ ایسے روک سکے گا کہ دو درجن ٹشو باکس اور تین عدد بالٹیاں اشکوں کی بھر جائیں تو بھی اس کا غم غلط نہ ہو۔

پہلے جب برینڈ ڈ سوٹس پر سیل لگا کرتی تھی اور دس ہزار کے لان سوٹ پر (جس میں میرا سو فیصد یقین ہے کہ اندرون خانہ خالص سونا ضرور چھپا ہوتا ہوگا) سیل کا اتنا بڑا ٹیگ چپکایا جاتا تھا کہ سوٹ کی رونمائی کم اور ٹیگ کی زیادہ محسوس ہوا کرتی تھی۔ تب اس سیل کے اندر لپٹے دھوکے میں دس ہزار کا سوٹ نو ہزار نو سو ننانوے میں لینے والی خواتین دکان سے نکل کر جب گھر جاتی تھیں تو دل میں خوشی کم اور غم زیادہ ہچکولے لیتا نظر آیا کرتا تھا۔ شاید تب ان ہی میں سے کسی زندہ دل خاتون نے اپنے دودھ بیچنے والے میاں سے ملاوٹ کا طریقہ اور پڑوس کے بچے سے انگریزوں کی ہمارے پاس رہ جانے والی آخری نشانی ''انگریزی'' کا لفظ ریپلیکا پوچھ کر سوٹ پر کامیابی سے آزمایا ہوگا اور یقیناً اس کے بعد ہی ریپلیکا نامی چیز معرض وجود میں آئی!

ریپلیکا کی دوکان ہمارے محلے کے پچھواڑے چاچے شوکت پرچون فروش کے کھوکھے کے پاس بھی کھلی ہے۔ کل اس کی دکان کے پاس سے گزرنا ہوا تو دیکھا کہ دکاندار ماسے منیر کا بیٹا رشید تھا اور ایسے منہ سنوار کر مختلف برینڈز کے نام گنوا رہا تھا کہ ایک لمحے کو شک ہوا کہ ضرور ماسے نے ریپلیکا بزنس میں کامیابی کے لئے رشید کو انگریزی کی کلاس میں خاص طور پر داخلہ دلوایا ہوگا۔ مجال ہے کہ کسی برینڈ کا نون میم شین و واچ بھی آگے پیچھے ہوا ہو۔ ان ریپلیکا اور برینڈز ماسٹرز کے نام بھیا تنے ہیں کہ محلے میں کسی نئے کاکے کی پیدائش پر نام رکھنے والی امدادی کتاب کی بجائے برینڈز لان کی یہ کتاب کام آ سکتی ہے جس میں الف سے یے تک تمام کے تمام زنانہ و مردانہ نام موجود ہوتے ہیں۔

میں بھی رشید کی دوکان پر جانے کے متعلق سوچ رہی ہوں۔ سوٹ بھی دیکھوں گی، انگریزی بھی سیکھوں گی اور اسی بہانے اپنی بھو کے گذشتہ روز پیدا ہونے والے بیٹے کے لئے اچھا سا نام رکھنے والا مسئلہ بھی بخوبی حل ہو جائے گا!

آپ بھی مزاح سے بھرپور تحاریر قلم کی روشنی میں شامل کرنے کے لیے ہمیں ای میل یا پی او بکس پر بھیج سکتے ہیں

بقیہ کرکٹ

اس وقت دنیا کی مضبوط ترین ٹیموں میں شامل ہے۔ پاکستان نے اپنا پہلا عالمی کرکٹ کپ عمران خان کی قیادت میں 1992ء میں برطانیہ کے خلاف جیتا۔ پاکستان نے کئی مایہ ناز گیند باز و بلے باز پیدا کیے ہیں جن میں عمران خان، وسیم اکرم، عبدالقادر، سرفراز نواز، وقار یونس، شعیب اختر، انضمام الحق، شاہد آفریدی اور جاوید میانداد کا نام آتا ہے۔

24 جون 2015 تک پاکستان نے 395 ٹیسٹ کھیلے ہیں جن میں سے 126 جیتے اور 111 ہارے، اور 158 بلا نتیجہ رہے۔ پاکستانی ٹیم اس وقت ایشیائی ٹیموں میں سب سے زیادہ ٹیسٹ جیتنے والی ٹیم ہے۔ آئی سی سی کی درجہ بندی کے مطابق پاکستان ٹیسٹ میچوں میں تیسری (3) اور ایک روزہ میچوں میں نویں (9) اور ٹی 20 میں ساتویں (7) نمبر پر ہے۔

عبدالجلیل جو پاکستان میں چاچا کرکٹ کے نام سے مشہور ہیں، ہر جگہ پاکستانی کرکٹ ٹیم کی حوصلہ افزائی کے لیے میدان میں موجود ہوتے ہیں۔ پاکستان کرکٹ بورڈ ان کو ماہانہ دس ہزار روپیہ دیتا ہے۔ وہ سال 1969 سے ٹیم کے ساتھ ہیں۔ (جاری ہے)

☆☆☆

کون ہو تم؟

قسط وار ناولٹ
دوسری قسط

رفعت خان



نیناں کی بات فوراً لڑکی کی سمجھ میں آ جانے سے نیناں کو ایک بات کی تسلی تو ہو گئی تھی کہ! لڑکی پاگل نہیں ہے۔

شگفتہ بیگم باورچی خانہ کا کام مکمل کر کے چھت پر دھوپ میں بیٹھی تھیں۔ نیناں کے آٹھویں جماعت کے بورڈ کے امتحان ہونا تھے نیناں اپنی کتابیں لے کر چھت پر ہی چلی آئی،

نیناں بیٹا اس لڑکی سے تمھاری کوئی بات ہو پائی ؟ نیناں کے چھت پر آتے ہی شگفتہ بیگم نے اس سے سوال کیا،

نہیں امی جان لڑکی کچھ بھی نہیں بولتی مگر ایک بات بہت حیران کر دینے والی ہے شگفتہ بیگم نے بے چینی سے نیناں کے اور قریب ہوتے ہوئے پوچھا، اچھا کونسی بات؟

امی میں نے لڑکی کو انگریزی اخبار پڑھتے دیکھا اور چلا کر سن کہتے ہوئے سنا۔۔۔۔

نیناں: s u n؟ سورج؟ سے۔ اس کا۔ کیا۔ مطلب۔ ہو سکتا ہے؟؟ نیناں نے اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی اپنی کنپٹی پہ گھما کر لفظوں پر زور دیتے ہوئے خود کلامی کی۔

اس کا مطلب ہے یہ پاگل نہیں ہے اور تمہیں اپنے بارے میں لازمی کچھ نہ کچھ بتائے گی؟ شگفتہ بیگم نے خوش ہو کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا،

پتا نہیں امی جان! مگر ایک بات ضرور ہے یہ لڑکی پاگل نہیں ہے یہ صرف ہمدردی چاہتی ہے پہلے تو یہ مجھ سے بھی گھبرائی تھی مگر میرے مسکرا کر دیکھنے سے اطمینان اس کے چہرے پہ واضح ہوا تھا امید کی جا سکتی ہے کہ یہ مجھ سے بھی بات کرے گی۔

لڑکی نہا کر ہلکے گلابی رنگ کا کامدار جوڑا پہن کر نیناں اور شگفتہ بیگم کے سامنے آئی تو دونوں ہی ایک دم حیران رہ گئیں جھیل جیسی آنکھیں لمبے بال پرکشش شکل دبلی پتلی سی گمنام لڑکی بہت پیاری لگ رہی تھی۔

نیناں اور اس کی امی جب اس کے پاس آئیں تو وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر کھجا رہی تھی نیناں بیٹا لگتا ہے بہت دن سے دھول مٹی میں رہنے کی وجہ سے اس کے سر میں جوئیں پڑ گئی ہیں تم تیل اور کنگھی لے آؤ میں اس کے سر میں تیل لگا کر اس کے بال سنوار دوں اور جوئیں بھی نکال دیتی ہوں،

امی آپ؟

تو کیا ہوا! بیٹا جانتی ہو جوئیں نکالنا ثواب ہے یہ بے بس ہے اور میں اسے آپ کی طرح بیٹی سمجھتی ہوں اور اسے تو خود نہیں پتا کے اس کے سر میں جوئیں ہیں۔

امی آپ بہت عظیم ہیں،

شگفتہ بیگم مسکراتے ہوئے اچھا اب جاؤ بھی

جی امی یوں گئی اور یوں آئی۔

شگفتہ بیگم نے اس کے بالوں کو جب سلیقے سے سنوارا اور جوئیں نکال کر اس کی چٹیا بنائی تو وہ لڑکی کتنی ہی دیر تشکر بھری نظروں سے شگفتہ بیگم کو دیکھتی رہی تھی، نجانے اس کو کتنا سکون میسر آیا ہو گا دوپہر کھانے کے بعد شگفتہ بیگم نے بازار سے نئے کپڑے اور جوتے لا کر اس لڑکی کو دیے تو وہ نگاہوں سے شکریہ ادا کرتے ہوئے مسکرائی اسے مسکراتا دیکھ کر شگفتہ بیگم کو بہت خوشی ہوئی شگفتہ بیگم چائے بنانے باورچی خانہ میں چلی گئیں اور نیناں کاپی قلم لے کر لڑکی کے پاس آ گئی نیناں نے ایک کاغذ پر

what is your name لکھ کر کاغذ لڑکی کے سامنے کر دیا اس نے مسکرا کر نیناں سے قلم لیا اور جواب میں suwenza لکھ دیا نیناں خوشی سے اُچھل پڑی؟ your name is suewenza

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا

نیناں کو نام عجیب تو لگا مگر نیناں بہت خوش تھی کے وہ نام جاننے میں کامیاب ہو چکی تھی نیناں نے جلدی سے اپنی امی کو بتایا شگفتہ بیگم بے حد خوش ہوئیں نیناں مزید بھی بہت کچھ جاننا چاہتی تھی مگر وہ سب سے پہلے "سورج" والے سوال کو سلجھانا چاہتی تھی جس کی وجہ سے نیناں صبح سے اُلجھی ہوئی تھی نیناں نے شگفتہ بیگم کو تسلی دی کہ وہ اور بھی کافی معلومات حاصل کر لے گی۔

شگفتہ بیگم، بیٹی کچھ بھی ہو مگر دھیان رکھنا تمھارے بابا بتا رہے تھے کہ لوگ اسے پاگل کہہ رہے تھے مگر

فی الحال اسے پاگل قرار دینا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ جب اسے پیار سے بلائیں تو کافی حد تک نارمل دکھائی دیتی ہے خیر تم پھر بھی دھیان رکھنا

نیناں: جی بہتر امی جان۔

نیناں نے سویزا سے اگلا سوال کیا who is sun? جیسے ہی نیناں نے سوال لکھ کر صفحہ آگے کیا سویزا کی حالت غیر ہو گئی اور وہ چیخنے چلانے لگی اس کی چیخ و پکار سے ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا سب کچھ اجڑ گیا ہو نیناں نے اسے آگے بڑھ کر چپ کروانا چاہا تو سویزا نیناں سے خود کو ایسے محفوظ کر رہی تھی جیسے نیناں ایک ظالم لڑکی اور سویزا مظلوم ہے اور نیناں سویزا پر ظلم ڈھا رہی ہو چیخ و پکار سن کر شگفتہ بیگم دوڑتی ہوئی آئیں اور سویزا کو پیار سے گلے لگانے لگیں مگر سویزا شگفتہ بیگم کو ایک طرف دھکیل کر کمرے میں رکھی چیزوں کی توڑ پھوڑ کرنے لگی شگفتہ بیگم برقی توانائی کی سی تیزی سے اٹھیں اور نیناں کو کمرے سے نکال کر سویزا کو کمرے میں بند کر دیا شگفتہ بیگم کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے نیناں نے جلدی سے بابا کو فون کیا افضل صاحب جلدی سے گھر آئے کمرہ کھولا تو سویزا اک کونے میں دبکی بیٹھی تھی شگفتہ بیگم بہت گھبرا گئی تھیں سارا ماجرا افضل صاحب کے گوش گزار کیا،

سارا ماجرا سن کر افضل صاحب بھی بہت ڈر گئے تھے، سویزا کے ہوش بحال ہو چکے تھے مگر افضل صاحب اب کوئی رسک نہیں لینا چاہتے تھے۔ اور سویزا کو واپس چلنے کو کہا شگفتہ بیگم نے سویزا کے کپڑے جو ابھی نئے لائی تھیں ایک بیگ، میں ڈال کر نیناں کو پکڑاتے ہوئے پیار

سے گلے گلے لگایا تو سویزا شکریہ انداز میں ہلکا سا مسکرا دی

سویزا اک کونے میں دبکی بیٹھی تھی شگفتہ بیگم بہت گھبرا گئی تھیں سارا ماجرا افضل صاحب کے گوش گزار لیا،

سارا ماجرا سن کر افضل صاحب بھی بہت ڈر گئے تھے، سویزا کے ہوش بحال ہو چکے تھے مگر افضل صاحب اب کوئی رسک نہیں لینا چاہتے تھے۔ اور سویزا کو واپس چلنے کو کہا شگفتہ بیگم نے سویزا کے کپڑے جو ابھی تنے تنے لائی تھیں ایک بیگ، میں ڈال کر نیناں کو پکڑاتے ہوئے پیار سے گلے گلے لگایا تو سویزا شکریہ انداز میں ہلکا سا مسکرا دی

نیناں نے روکنا چاہا مگر روک نہ پائی سویزا جاتے جاتے حسرت بھری نگاہوں سے نیناں اور شگفتہ بیگم کو دیکھتی رہی تھی، ایک لمحے کو رک کر سویزا گھر کے دروازے پر لگی افضل صاحب کے نام کی تختی پڑھ کر رونے لگی۔ گھر کے دروازے پر کھڑی یہ منظر دیکھتے ہوئے شگفتہ بیگم اور نیناں بہت رنجیدہ ہوئیں مگر چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔۔۔ افضل صاحب جب ڈیوٹی سے واپس گھر آئے تو نیناں کا پہلا سوال سویزا کے متعلق ہی تھا

افضل صاحب: نیناں بیٹی ہم نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنے گھر کا کچھ اتہ پتہ دے مگر ہم یہ جاننے سے قاصر رہے ایس ایچ او کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس لڑکی کو پاگل خانہ بھیجوا دیا

نیناں: مگر بابا وہ پاگل نہیں تھی :(

افضل صاحب: ہاں بیٹا مگر لڑکی ذات کو بنا کسی جرم کے تھانے بھی تو نہیں رکھا جاتا،

نیناں: بابا آپ اسے واپس گھر لے آتے ہم اسے یہاں رکھ لیتے،

افضل صاحب نیناں کی بات پہ مسکرا دیئے اور نیناں کے سر پہ ہاتھ رکھ کر شفقت سے بولے، نہیں بیٹا ایسا کرنا ممکن نہیں ہوتا ہمیں اپنا فرض نبھانا ہوتا ہے، کوئی خطرہ مول لینا بیوقوفی ہے ہم اس کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو اسے اس کے گھر تک پہنچا آتے مگر وہ ذہنی طور پر بہت پریشان ہے۔۔

نیناں: پریشانی کے عالم میں اب کیا ہوگا بابا؟

افضل صاحب: تم فکر نہ کرو بیٹا وہ وہاں محفوظ ہے وہیں اس کا علاج بھی ہوگا شاید وہ ٹھیک ہو جائے اور اسے کچھ یاد آ جائے اور وہ اپنے متعلق بتا سکے یا وہ انگریزی میں لکھ کر سب کچھ بتا سکتی ہے۔

افضل صاحب: نہیں بیٹا وہ صرف اپنے نام کے علاوہ کچھ بتانے کی حالت میں نہیں ہے، ہم نے ڈاکٹر سے اس کے دماغ کا معائنہ کروایا تھا ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ اسے دماغی ادویات وافر مقدار میں استعمال کروائی جا چکی ہیں شائد یہ دماغی مریضہ ہو یا۔۔۔۔۔۔ جملہ ادھورا چھوڑتے ہوئے افضل صاحب نے بات کا رخ موڑا،

اس کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہے بیٹی۔ چلو شاباش آپ یہ سب سوچنا چھوڑ دو اور اپنی پڑھائی پر توجہ دو میری پیاری بیٹی ہو آج بابا کو پانی کا بھی نہیں پوچھا۔۔۔ افضل صاحب نے نیناں کو پچکارہ۔

نیناں: اوہ سوری بابا، ابھی لائی اور آپ کے لئے چائے بھی بنا دوں؟

افضل صاحب: ہاں ہاں بیٹا نیکی اور پوچھ پوچھ؟

نیناں: مسکرا کر چائے بنانے کچن میں چلی گئی نیناں بظاہر تو اس واقعہ کو بھول گئی تھی مگر سویزا کا وجود نیناں کے لئے بہت سارے سوالات چھوڑ گیا تھا، نیناں ان سوالوں کا کیسے کھوج لگائے؟ نیناں کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔۔۔ نیناں اس واقعہ کو آہستہ آہستہ اپنے ذہن کے پس پردہ ڈال کر اپنی پڑھائی میں مکمل طور پر مصروف ہو چکی تھی وقت ہاز کے پر لگا کر بہت آگے نکل چکا تھا، چار سال کے طویل عرصے کے بعد نیناں کی زندگی میں بہت سی تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ نیناں اردو ادب کی تعلیم حاصل کرنے میں دن رات ایک کر رہی تھی، نیناں کے بابا نوکری مکمل کر چکے تھے اور اپنا کاروبار شروع کر لیا تھا اور شام کے وقت افضل صاحب کچھ پل کے لئے تھانے جا کر چائے پینے کے ساتھ ساتھ پرانی یادوں کو تازہ کیا کرتے تھے اور ان کو وہاں اب بھی اتنی ہی عزت سے نوازا جاتا جتنا کہ دوران ڈیوٹی قابل عزت گردانا جاتا تھا، افضل صاحب نے اپنا پرانا گھر چھوڑ کر نیا کشادہ ساخوبصورت گھر بنا لیا تھا۔ گھر تبدیل کرنے کے بعد آج نیناں کو اچانک اپنے پرانے گھر کی یاد کے ساتھ ہی سویزا کی یادوں نے بھی گھیر لیا تھا، نیناں سوچ کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ شگفتہ بیگم کی آواز نے چونکا دیا۔۔

نیناں بیٹا کب سے فون بج رہا ہے، اٹھانا ذرا۔۔ میں ہنڈیا بھون رہی ہوں

نیناں جی امی۔۔۔۔۔۔ نیناں نے برآمدے میں رکھے تخت پوش سے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔۔۔

نیناں: السلام علیکم!

وعلیکم السلام: افضل صاحب گھر پہ ہیں؟

نیناں: آپ کون؟

میں تھانہ دہلیہ سے منشی بات کر رہا ہوں،

نیناں: بابا تو گھر پہ نہیں ہیں خیریت؟

منشی: جی بیٹا آپ کی ایک مہمان آئی ہیں آپ کے پرانے گھر گئی تھیں آپ لوگوں کے نہ ملنے پہ یہاں ہمارے پاس آ گئیں خود کو افضل صاحب کی بہن بتاتی ہیں اور آپ کے گھر کا موجودہ پتہ مانگ رہی ہیں ایسے تو کسی بھی انجان انسان کو ہم پتہ نہیں بتا سکتے آپ افضل صاحب سے فوری رابطہ کر کے انہیں تھانے بھیج دیں ہمارا اُن سے رابطہ نہیں ہو پا رہا، اسی لیے ہمیں گھر کے نمبر پہ فون کرنا پڑا

نیناں: جی بہتر۔۔۔۔۔ منشی: ٹھیک ہے بیٹا اللہ حافظ، اللہ حافظ۔۔۔۔۔

افضل صاحب کو جیسے ہی اطلاع ملی وہ فوراً تھانے پہنچ گئے نیناں اور شگفتہ بیگم سوچنے لگیں کہ آخر وہ کون ہو سکتی ہے؟ جبکہ نیناں کی پھپھو تو اطلاع کر کے سیدھی گھر آ جایا کرتی تھیں ابھی ماں بیٹی باتیں ہی کر رہی تھیں کہ افضل صاحب ایک لڑکی کے ہمراہ گھر میں داخل ہوئے نیناں اس بھاری بھر کم وجود کی لڑکی سے تو انجان تھی مگر اس کے نین نقش کچھ جانے پہچانے سے لگ رہے تھے نیناں ابھی ذہن پہ زور دے ہی رہی تھی کہ وہ لڑکی مسکرا کر بولی تم نیناں ہو ناں؟

میں سویزا ہم نے تم کو پہچان لیا تم نے ہم کو پہچانا؟

نیناں خوشی اور حیرانگی کی ملی جلی کیفیت میں۔ آپ سویزا ہو؟؟؟

نیناں (افضل صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے) واقعی بابا یہ سویزا ہے؟

افضل صاحب: جی بیٹا یہ سویزا ہی ہے،

نیناں: بابا سویزا بول سکتی ہے؟ سویزا اتنا عرصہ کہاں رہی؟ اسے ہم یاد تھے؟ یہ کیسے آئی؟ اس کے ساتھ اور کون ہے؟۔۔۔۔۔ (جاری ہے)

☆☆☆

☆ " بریڈ کے لڈو "

اشیاء درکار:

آلو (اُبلے اور ملیدہ کیے ہوئے): 1 عدد بڑا

چکن (اُبلی اور ریشہ کی ہوئی): 250 گرام

نمک: حسبِ منشاء

چاٹ مسالہ: 1/2 چائے کا چمچ

آمچور پاؤڈر: 1/4 چائے کا چمچ

لیموں کا رس: 1 چائے کا چمچ

زیرہ پاؤڈر: 3/4 چائے کا چمچ

لال مرچ پاؤڈر: 1/2 چائے کا چمچ

ہری مرچیں کوٹی ہوئی: 2 عدد

ہرا دھنیا: 3 کھانے کے چمچ

کالی مرچ: 1/4 چائے کا چمچ

ڈبل روٹی: 6 سلائس

تیل (تلنے کے لئے)

طریقہ: آلو اور چکن میں تمام مسالے ڈال کر فلنگ تیار کر لیں۔ اب تمام ڈبل روٹی کے کنارے اتار دیں۔ ایک برتن میں پانی لیں سلائس کو پانی میں بھگو کر دونوں ہتھیلی پر رکھ کر احتیاط کے ساتھ دبائیں کہ ڈبل روٹی ٹوٹے بھی نہ اور فاضل پانی بھی نکل جائے۔ اب ڈبل روٹی کے درمیان آلو اور چکن کے مکچر کی فلنگ ڈال کر آہستہ آہستہ ڈبل روٹی کو لڈو کی شکل میں بند کریں کہ کوئی جگہ کھلی نہ رہے۔ اسی طرح باقی کے تمام لڈو تیار کر کے فریج میں آدھے گھنٹے کے لئے ڈھکے بغیر رکھ دیں تاکہ ڈبل روٹی کی نمی اچھی طرح خشک ہو جائے اور لڈو خستہ بنیں۔ اب کڑاہی میں تیل گرم کر لیں اور ان لڈو کو سنہرا تل کر نکال لیں اور من پسند چٹنی کے ساتھ گرما گرم نوش فرمائیں۔ (منتول عامر۔۔۔ پاکپتن شریف، پاکستان)

☆☆☆

☆ " پوٹیٹو پف "

اجزاء درکار:

آلو (اُبلے اور ملیدہ کیے ہوئے): 2 عدد

کارن فلور: 1/2 کپ

نمک: 1 چائے کا چمچ

کالی مرچ: 1 چائے کا چمچ

چائنا نمک: 1/2 چائے کا چمچ

ہری مرچ (کوٹی ہوئی): 7 عدد

زیرہ: 1/2 چائے کا چمچ

ثابت دھنیا (کوٹا ہوا): 1/2 چائے کا چمچ

پانی (آمیزے کو پتلا کرنے کے لئے) حسبِ ضرورت

تیل (تلنے کے لئے): حسبِ ضرورت

طریقہ: اُبلے ہوئے آلوؤں میں تمام مسالے کارن فلور سمیت ملا کر اب اس میں تھوڑا تھوڑا کر کے اتنا پانی شامل کریں کہ پکوڑوں جیسا گاڑھا آمیزہ تیار ہو جائے۔ اب تیل گرم کر کے چمچ سے پکوڑوں کی طرح ڈال کر سنہرا ہونے تک فرائی کر لیں۔ کیچپ کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔ (عمیرا مسعود۔۔۔ بہاولپور)★

☆ " انڈوں کا حلوہ "

اشیاء درکار:

انڈے: 5 عدد

چینی: 8 کھانے کے چمچ

بالائی: 6 کھانے کے چمچ

تیل: 1/2 2 کھانے کے چمچ

الائچی: 2 عدد

خشک میوے: حسبِ منشاء

طریقہ: ایک کڑاہی میں تیل ڈال کر درمیانی آنچ پر رکھیں اور اس میں الائچی ڈالیں۔ دوسری طرف ایک پیالے میں چینی، بالائی اور انڈوں کو ڈال کر بیٹر سے اچھی طرح پھینٹ لیں۔ جب الائچی کے دانے کڑکڑانے لگیں تو کڑاہی میں انڈوں کا آمیزہ ڈال کر بھونیں کہ جب تک وہ رنگ اور خوشبو نہ چھوڑ دے۔ خشک میوے چھڑک کر پیش کریں۔ (نرمین نعیم۔۔۔ حیدرآباد، پاکستان)

☆ " کوکونٹ رول "

اجزاء درکار:

آلو (اُبلے ہوئے): 1 کلو

نمک: 1/2 چائے کا چمچ

کالی مرچ: 1/2 چائے کا چمچ

چائنا نمک: 1/2 چائے کا چمچ

لیمن کا رس: 5 چائے کا چمچ

چینی: 3 کھانے کے چمچ

ناریل پاؤڈر یا کدوکش کیا ہوا: 6 چائے کے چمچ

لال مرچ پاؤڈر: 1 چائے کا چمچ

انڈے: 2 عدد

بریڈ کرمز: حسبِ ضرورت

تیل (فرائی کے لئے): حسبِ ضرورت

طریقہ: سب سے پہلے آلو میں نمک، کالی مرچ، اور چائنا نمک اچھی طرح شامل کر کے تیار کر لیں۔ ایک ڈونگے میں لیمن، چینی، ناریل اور لال مرچ کو ملا کر تیار کر لیں۔ کباب جتنا آلو کا کمچر لیں پھر ہتھیلی پر پھیلا کر اس کے درمیان ایک کھانے کا چمچ ناریل کا آمیزہ رکھ کر آلو کے کمچر کو رول کی شکل میں تیار کر لیں۔ انڈے پھینٹ لیں اور کرمز کو الگ پلیٹ میں رکھ لیں اب کڑاہی میں تیل گرم کریں اور تمام رول کو پہلے انڈے میں کوٹ کریں پھر کرمز میں لپیٹ کر ڈیپ فرائی کریں۔ سنہرا رنگ آتے پر نکال کر من پسند چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

(سائرہ یاسمین۔۔۔ فیصل آباد، پاکستان)★

☆ " کلب سینڈوچ "

اجزاء درکار:

چکن (اُبلی ہوئی): 1 عدد

مکھن: 200 گرام

کھیرے: 3 عدد

ٹماٹر: 2 عدد

مایونیز: حسبِ ضرورت

کیچپ: حسبِ ضرورت

کالی مرچ: 1 چائے کا چمچ

نمک: 1/2 چائے کا چمچ

انڈے: 6 عدد

ڈبل روٹی: 18 سلائس

طریقہ: سب سے پہلے تمام سلائس کے کنارے کاٹ کر الگ کر کے درمیان سے تکونی شکل کے کاٹ لیں۔ فرائنگ پان میں تھوڑے سے مکھن کے ساتھ تمام سلائس خستہ کرتے ہوئے سینک لیں۔ اب ایک ڈونگے میں چکن، کالی

بچوں کا ادب

پیاری کہانیاں

انچارج: صداقت حسین ساجد

ناروے کی لوک کہانی

انگلیوں کا فیصلہ

ازقلم: صداقت حسین ساجد

”وہ دیکھو! بھلا کون آرہی ہے؟“

”الٹی کھوپڑی آرہی ہے اور کون آرہی ہے۔“

اسے دیکھتے ہی سب بچے چلانے لگے۔

”الٹی کھوپڑی......الٹی کھوپڑی......“

یہ سنتے ہی وہ انھیں مارنے کے لیے بھاگی، لیکن بچے کہاں اس کے ہاتھ آنے والے تھے۔ بچے کھیتوں میں جا کر گھس گئے۔ وہاں چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں تھیں۔ وہ وہاں جا کر کام کرنے لگی، تو ایک جھاڑی کے پیچھے سے آواز آئی

”الٹی کھوپڑی!“

یہ سنتے ہی وہ اس جھاڑی کی طرف لپکی، لیکن اتنے میں دوسری جھاڑی کے پیچھے سے بھی الٹی کھوپڑی کی آواز آئی، تو وہ ادھر لپک پڑی۔ پھر تو وہاں کئی جھاڑیوں کے پیچھے سے یہی آوازیں آنے لگیں۔ یہ سن کر وہ جھلا اٹھی اور مٹی کے ڈھیلے اٹھا اٹھا کر جھاڑیوں پر پھینکنے شروع کر دیے۔ یہ دیکھ کر بچے وہاں سے کھسک لیے۔

اس کا نام تو کچھ اور تھا، لیکن اس کے الٹے کاموں کی وجہ سے اس کا نام الٹی کھوپڑی پڑ گیا تھا۔ سب لوگ اس کا اصل نام بھول چکے تھے۔ اس کا شوہر ایک کسان تھا۔ وہ ہر لحاظ سے بہت خوش حال تھا، لیکن اس کی بیوی نے اس کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ وہ بہت ضدی اور ایک نمبر کی ڈھیٹ تھی۔ جس بات پر ضد کر دیتی، پھر مرتی مر جاتی، لیکن اپنی ضد سے باز نہیں آتی تھی۔ وہ ہمیشہ الٹی سوچتی تھی۔

سب اس کا مذاق اڑاتے تھے، اسے تنگ کرتے تھے، لیکن وہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود اپنی ضد سے باز نہیں آتی تھی۔ آس پاس کی خواتین بھی اس سے بہت تنگ تھیں۔

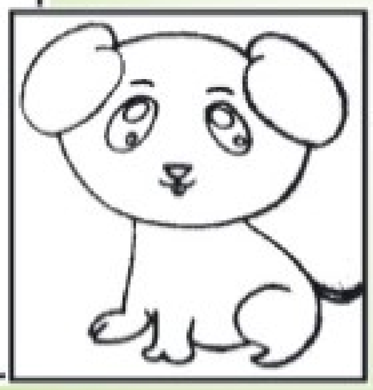
بقیہ صفحہ 32 پر ملاحظہ فرمائیں

”رنگ میرا جہاں“ ”خوشخطی“

پیارے بچو! تصاویر میں رنگ بھریں، الفاظ کو خوشخط کر کے لکھیں اور بھیج دیجیے ہمارے ڈاک کے پتہ پی او بکس نمبر ا خانپور ضلع رحیم یار خان پر اور جیتئے انعامات۔

(نوٹ یہ سلسلہ چھوٹے بچوں کے لیے ہے)





رنگ میرا جہاں---

پیارے بچو! تصاویر میں رنگ بھریں

خوشخطی ---- بچو! ان الفاظ کو خوشخط کر کے لکھیں

ق۔ر۔آ۔ن۔قرآن   ۔ن۔م۔ا۔ز۔نماز   پ۔ر۔چ۔م۔پرچم

آ۔ز۔ا۔د۔ی۔آزادی   م۔ب۔ا۔ر۔ک۔مبارک

بچوں کے قہقہے

پیاری اور معلوماتی باتیں

انچارج کوثر ناز

پیاری اور معلوماتی باتیں

☆ خاموشی فضول گوئی سے بہتر ہے۔

☆ دل اگر سیاہ ہو تو چمکتی آنکھ بھی کچھ نہیں کر سکتی۔

☆ ہر روز نیکی کا ایسا کام کرو جو دوسرے کے چہرے پر مسکان بکھیر دے۔

☆ جھوٹ کا سہارا کبھی مت لو کیونکہ سچ ہر جھوٹی چیز کا نقاب اتار پھینکتا ہے۔

☆ دوسروں کو عزت دینے سے ہماری عزت کم نہیں ہوتی۔

☆ سورج کی طرح بنو جو ہمیشہ روشنی بکھیرتا ہے۔

☆☆☆

قہقہے (انتخاب)

استاد شاگرد سے: جس آدمی کو سنائی نہ دے اسکو انگریزی میں کیا کہیں گے؟؟

سردار شاگرد: جو مرضی کہہ لو اسے کون سا سنائی دے گا۔

☆☆☆

سردار کو پھانسی کی سزا ہو گئی

جج نے پوچھا کوئی آخری خواہش

سردار: میری جگہ تسی لٹک جاؤ

☆☆☆

پٹھان نماز پڑھنے گیا تو دو بار وضو کیا

کسی نے پوچھا بھائی دو بار وضو کیوں کیا؟

پٹھان: اگر ایک ٹوٹ گیا تو دوسرا کام آئے گا۔

مرچ، نمک اور دوسو گرام مکھن اچھی طرح شامل کرلیں۔تمام انڈے ایک ایک کر کے فرائی کرلیں۔اب ایک تکونی سلائس پر سب سے پہلے مایونیز لگا کر کٹے ہوئے کھیرے رکھیں اس کے بعد ٹماٹر کے کٹے قتلوں کی تہہ لگائیں پھر اس کے اوپر چکن کا مکسچر رکھیں اس کے اوپر سلائس رکھیں پھر اسکے اوپر کیچپ لگائیں پھر فرائی انڈا رکھتے ہوئے اسکے اوپر تیسرا اور آخری سلائس رکھیں۔مزیدار کلب سینڈوچ تیار ہیں۔(حنا اسد۔جدہ،سعودی عرب)☆

☆ " کاک ٹیل مکس

درکار اجزاء:

کاک ٹیل فروٹس (کٹے ہوئے): 1 ٹن

آم (چھوٹے ٹکڑوں میں کٹے ہوئے): 2 عدد

کیلا (کٹے ہوئے): 2 عدد

سیب (کٹے ہوئے):2 عدد

فیملے کریم:1 پیکٹ

چینی: حسب ضرورت

طریقہ: ایک بڑا برتن لیں اس میں فیملے کریم کو چینی کے ساتھ اچھی طرح پھینٹ کر ملا لیں پھر ٹن کا کاک ٹیل مکس فروٹس اور تازہ پھلوں کو کریم میں ملا لیں۔مزیدار فروٹ چاٹ تیار ہے ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

(نایاب علی۔۔۔۔۔ملتان،پاکستان)☆

☆ " آلو کے پف "

اجزاء درکار:

مکھن: اونس

انڈے: عدد

لال مرچ پاؤڈر: حسب ضرورت

چکن کیوب: عدد

پانی: کپ

میدہ: کپ

آلو (ابلے اور ملیدہ کئے ہوئے)

تیل (تلنے کے لئے): کپ

طریقہ: ایک ساس پین میں آدھا کپ پانی ڈال کر گرم کریں اور اس میں مکھن اور چکن کیوب ڈال کر چولہے سے ہٹا کر حل کریں۔کیوب گھل جائے اور مکھن پگھل جائے تو میدہ ملا کر دوبارہ آنچ پر رکھیں اور خوب چمچ سے ہلاتے ہوئے پکائیں حتیٰ کہ مرکب ساس پین کا پیندا چھوڑنے لگے تو آنچ بند کردیں۔قدرے ٹھنڈا ہونے دیں اور پھر دونوں انڈے توڑ کر ملا دیں ساتھ ہی آلو بھی ملا دیں۔اچھی طرح اس مرکب کو لال مرچ پاؤڈر کے ساتھ پھینٹ لیں۔کڑاہی میں تیل گرم کریں اور ایک چمچ اس مرکب کا بھر کر ڈالیں اور تل کر گولڈن کرلیں پھر جاذب کاغذ پر نکالیں اور گرما گرم کیچپ کے ساتھ پیش کریں۔

(عائشہ پرویز۔۔۔۔کراچی،پاکستان)☆

☆ " چکن فلڈ چلی "

اجزاء درکار:

چکن (بغیر ہڈی کے): 1 پاؤ

لیموں:2 عدد

نمک: حسب منشا

کالی مرچ (پسی ہوئی):حسب منشا

کیچپ: 2 بڑے چمچ

بڑی سبز مرچیں:6 عدد

آمیزے کی تیاری کے لئے:

بیسن: 1 کپ

نمک: حسب منشا

سرخ مرچ پاؤڈر:حسب منشا

طریقہ: چکن کو آئل کے بنا لیموں،نمک،کالی مرچ،کیچپ ڈال کر تھوڑا سا پانی ڈال کر گلنے کے لئے ڈھک دیں۔مرچوں کی ایک سائڈ پر کٹ لگا لیں۔چکن گل جائے تو چمچ کی مدد سے مرچوں میں بھریں۔بیسن میں حسب ضرورت نمک اور سرخ مرچ شامل کر کے گاڑھا سا آمیزہ بنا لیں مرچوں کو آمیزہ لگا کر گرم تیل میں تل لیں۔بیسن کا رنگ سنہرا ہو جائے تو تیل سے نکال لیں۔مزیدار چکن فلڈ چلی تیار ہے۔

(ثوبیہ طاہر۔۔۔۔بہاولپور،پاکستان)☆☆

آسان اور کار آمد ٹوٹکے

انچارج عظمیٰ فردوس۔جدہ،سعودی عرب

جلے ہوئے فرائنگ پین اور دیگچیوں کی صفائی

"اوہ! ماہین فون رکھو لگتا ہے دال جل گئی ہے۔تم سے بات کرتے کرتے چولہا بند کرنا بھول گئی اور اب پورا باورچی خانہ دھواں دھواں ہو رہا ہے۔میں بعد میں فون



کرتی ہوں۔اللہ حافظ!"۔۔۔میں باورچی خانے میں داخل ہوئی تو کثیف دھوئیں سے اندازہ ہو گیا کے دیگچی زیادہ ہی جل گئی یعنی دوسرے لفظوں میں کہا جائے تو دیگچی ناکارہ ہوگئی۔۔۔۔۔ارے نہیں بالکل بھی نہیں۔۔! ایسے "جلے" ہوئے اتفاقات سے اکثر ہر خاتون خانہ کو سامنا رہتا ہے اور اچھی اچھی دیگچیوں اور پین سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔۔۔۔کہیں آپ جلی ہوئی دیگچی یا فرائنگ پان پھینک تو نہیں دیتے۔۔۔۔؟؟ کیا کہا۔۔پھینک دیتے ہیں۔۔۔۔!!! اچھا آج کے بعد بالکل نہ پھینکیں کیونکہ میں لائی ہوں کچھ کار آمد ٹوٹکے آپ آزما کر دیکھیں جلے برتن بالکل پہلے جیسے ہو جائیں گے۔۔۔!!

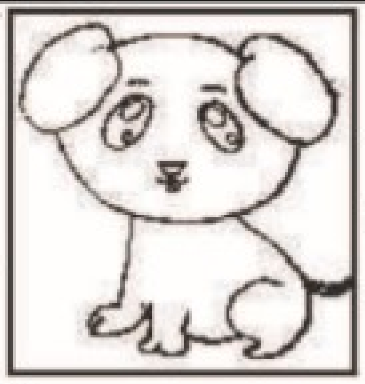
ا۔جو برتن جلا ہوا اس میں اتنا پانی ڈالیں کہ جلا ہوئی سطح مکمل ڈوب جائے اب اس میں کوئی بھی واشنگ پاؤڈر کے دو چمچ ڈالیں اگر زیادہ جلا برتن ہو تو پھر تین یا چار چمچ ڈالیں اور پندرہ سے بیس منٹ تک درمیانی آنچ تک پکائیں اور پھر آنچ دھیمی کر کے مزید پانچ منٹ تک پکائیں پھر چولہے سے اتار کر پانی پھینک دیں اور چمچ کی مدد سے ہلکے ہاتھ سے جلے ہوئے حصے کو کھرچ کر نکال دیں اس کے بعد ڈش واشنگ سوپ اور اسٹیل کے اسکربر کی مدد سے برتن کو رگڑ کر صاف کرلیں۔آپ کا برتن انتہائی صاف پہلے جیسا ہو جائے گا۔(بقیہ صفحہ 9 پر)

بچوں کا ادب

،،رنگ میرا جہاں،، ”خوشخطی

پیارے بچو! تصاویر میں رنگ بھریں ،الفاظ کو خوشخط کر کے لکھیں اور بھیج دیجیے ہمارے ڈاک کے پتہ پی او بکس نمبرا خانپور ضلع رحیم یارخان پر اور جیتیے انعامات ۔

(نوٹ یہ سلسلہ چھوٹے بچوں کے لیے ہے)





رنگ میرا جہاں۔۔

پیارے بچو! تصاویر میں رنگ بھریں

خوشخطی ۔۔۔۔ بچو! ان الفاظ کو خوشخط کر کے لکھیں

ق ۔ر ۔آ ۔ن ۔قرآن ۔ن ۔م ۔ا ۔ز ۔نماز ۔ پ ۔ر ۔چ ۔م ۔ پرچم

آ ۔ز ۔ا ۔د ۔ی ۔آزادی م ۔ب ۔ا ۔ر ۔ک ۔مبارک

بچوں کے قہقہے
پیاری اور معلوماتی باتیں
انچارج کوثر ناز

قہقہے (انتخاب)

استاد شاگرد سے: جس آدمی کو سنائی نہ دے اسکو انگریزی میں کیا کہیں گے؟؟

سردار شاگرد: جو مرضی کہہ لو اسے کون سا سنائی دے گا۔

☆☆☆

سردار کو پھانسی کی سزا ہو گئی

جج نے پوچھا کوئی آخری خواہش

سردار: میری جگہ تسی لٹک جاؤ

☆☆☆

پٹھان نماز پڑھنے گیا تو دو بار وضو کیا

کسی نے پوچھا بھائی دو بار وضو کیوں کیا؟

پٹھان: اگر ایک ٹوٹ گیا تو دوسرا کام آئے گا۔

پیاری اور معلوماتی باتیں

☆ خاموشی فضول گوئی سے بہتر ہے۔

☆ دل اگر سیاہ ہو تو چمکتی آنکھ بھی کچھ نہیں کر سکتی۔

☆ ہر روز نیکی کا ایسا کام کرو جو دوسرے کے چہرے پر مسکان بکھیر دے۔

☆ جھوٹ کا سہارا کبھی مت لو کیونکہ سچ ہر جھوٹی چیز کا نقاب اتار پھینکتا ہے۔

☆ دوسروں کو عزت دینے سے ہماری عزت کم نہیں ہوتی۔

☆ سورج کی طرح بنو جو ہمیشہ روشنی بکھیرتا ہے۔

☆☆☆

پیاری کہانیاں

انچارج :صداقت حسین ساجد

ناروے کی لوک کہانی

انگلیوں کا فیصلہ

ازقلم : صداقت حسین ساجد

”وہ دیکھو! بھلا کون آ رہی ہے؟“

”الٹی کھوپڑی آ رہی ہے اور کون آ رہی ہے۔“

اسے دیکھتے ہی سب بچے چلانے لگے۔

”الٹی کھوپڑی......الٹی کھوپڑی......“

یہ سنتے ہی وہ انہیں مارنے کے لیے بھاگی، لیکن بچے کہاں اس کے ہاتھ آنے والے تھے۔ بچے کھیتوں میں جا کر گھس گئے۔ وہاں چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں تھیں۔ وہ وہاں جا کر کام کرنے لگی، تو ایک جھاڑی کے پیچھے سے آواز آئی

”الٹی کھوپڑی!“

یہ سنتے ہی وہ اس جھاڑی کی طرف لپکی، لیکن اتنے میں دوسری جھاڑی کے پیچھے سے بھی الٹی کھوپڑی کی آواز آئی، تو وہ ادھر لپک پڑی۔ پھر تو وہاں کئی جھاڑیوں کے پیچھے سے یہی آوازیں آنے لگیں۔ یہ سن کر وہ چلا اٹھی اور مٹی کے ڈھیلے اٹھا اٹھا کر جھاڑیوں پر پھینکنے شروع کر دیے۔ یہ دیکھ کر بچے وہاں سے کھسک لیے۔

اس کا نام تو کچھ اور تھا، لیکن اس کے الٹے کاموں کی وجہ سے اس کا نام الٹی کھوپڑی پڑ گیا تھا۔ سب لوگ اس کا اصل نام بھول چکے تھے۔ اس کا شوہر ایک کسان تھا۔ وہ ہر لحاظ سے بہت خوش حال تھا، لیکن اس کی بیوی نے اس کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ وہ بہت ضدی اور ایک نمبر کی ڈھیٹ تھی۔ جس بات پر ضد کر دیتی، پھر مرتی مرجاتی، لیکن اپنی ضد سے باز نہیں آتی تھی۔ وہ ہمیشہ الٹی سوچتی تھی۔

سب اس کا مذاق اڑاتے تھے، اسے تنگ کرتے تھے، لیکن وہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود اپنی ضد سے باز نہیں آتی تھی۔ آس پاس کی خواتین بھی اس سے بہت تنگ تھیں۔

وہ کہتیں۔

"آؤ! پانی لینے کے لیے کنویں پر چلیں۔"

"نہیں۔۔۔ کنویں سے نہیں بلکہ پانی تو ندی سے لینا چاہیے۔"

"آؤ! پہاڑی پر الپے تھاپتی ہیں۔"

"نہیں...... پہاڑی پر نہیں بلکہ پہاڑ کے دامن میں مناسب رہیں گے۔"

جب مچھیرا اس کے گھر کے پاس آ کر آواز لگاتا۔

"بام مچھلی لے لو...... بام مچھلی لے لو۔"

"تم سنگھاڑا یا سرمئی مچھلی کیوں نہیں لاتے۔"

جب وہ بے چارا سنگھاڑا اور سرمئی مچھلی لاتا، تو وہ اس سے بام مچھلی مانگتی۔

کسی دن کسان اس سے کہتا۔

"آج آلو پکا لو۔"

"نہیں...... آج دال پکے گی۔"

وہ یہ کہتا۔

"میری قمیض پھٹ گئی ہے...... ذرا اسے تو سی دو۔"

"نہیں...... تم شلوار ٹھیک کرالو۔"

حالاں کہ شلوار تو بالکل ٹھیک ہوتی تھی۔ وہ اپنے شوہر کو سخت سردیوں میں ٹھنڈا ٹھار شربت بنا کر پلا دیتی اور کہتی۔ "چائے تو صرف گرمیوں میں ہی پی جاتی ہے۔"

ٹھنڈا ٹھار شربت پی کر وہ بیمار ہو جاتا۔ ان سب باتوں کی وجہ سے لوگوں کو یقین تھا کہ اس کی کھوپڑی حقیقت میں الٹی ہے۔ پڑوسی اس سے تنگ آ کر کسان سے شکایت کرتے۔ "تمھاری بیوی ہم سے بغیر کسی وجہ کے الجھتی رہتی ہے۔"

وہ افسوس کرتے ہوئے کہتا۔

"بھائیو! تم پھر بھی فائدے میں ہو۔"

"وہ کیسے؟"

"وہ تمھاری بیوی جو نہیں ہے...... مجھے پتا ہے...... میں اسے کیسے بھگت رہا ہوں...... وہ گھر سے باہر نکل کر چند لمحوں کے لیے تم سے الجھتی ہے...... میرے ساتھ تو اس کا ہر وقت کا ساتھ ہے...... اس نے تو میرا دماغ بھی الٹا کر رکھ دیا ہے...... میں تو خود اس سے اتنا تنگ ہوں ...... تمھاری شکایتیں کیسے دور کروں؟"

پڑوسی خاموش ہو جاتے۔ وہ اور کیا کہتے۔

رات کو وہ تھکا ہارا سیدھا لیٹتا، تو وہ اسے جگا کر کروٹ کے بل لیٹنے پر مجبور کر دیتی۔ جب وہ دیر ہونے کی وجہ سے جلدی جلدی کھانا کھاتا، تو وہ اسے روک کر کہتی۔

"ابھی بہت وقت پڑا ہے...... جلدی کاہے کی کر رہے ہو۔"

جب وہ آہستہ آہستہ کھانا کھاتا، تو پھر بھی اس سے خاموش نہ رہا جاتا۔

"تمھیں وقت کا احساس نہیں ہے...... کام کا حرج ہو رہا ہے...... کھانا ساتھ لے جاؤ...... راستے میں چلتے ہوئے کھا لینا۔"

حالاں کہ اس دن کھیت میں جانا ضروری بھی نہیں ہوتا تھا فصل پک چکی تھی۔ ایک دن دونوں میاں بیوی صبح صبح اپنے کھیت کو دیکھنے کے لیے روانہ ہوئے۔ کسان نے کہا۔

"منگل تک فصل کاٹنے کے لیے بالکل تیار ہو جائے گی"

"نہیں...... یہ کام بدھ سے پہلے ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔"

"چلو! ٹھیک ہے...... میں اپنی مدد کے لیے اپنے دونوں بھائیوں کو بلا لیتا ہوں۔"

"نہیں...... میرے دونوں بھائیوں کو بلا لو...... وہ ان سے زیادہ پھرتی سے کام کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے کل سے صبح پانچ بجنے سے پہلے اٹھنا پڑے گا تاکہ سورج ڈھلنے تک ہر روز بہت سا کام ہو جایا کرے۔"

"نہیں...... چھے بجے سے پہلے اٹھنے کی ضرورت بالکل نہیں ہے...... ہم دوپہر کو صرف آدھا گھنٹا آرام کریں گے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے، کیوں کہ موسم تو خوش گوار ہے، اگر دوپہر کو آرام نہ بھی کیا، تو کوئی مسئلہ نہیں۔"

"موسم کب خوش گوار ہے...... سخت گرمی ہے...... اتنے سخت موسم میں آرام لازمی کرنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے جیسے تمھاری مرضی! آج ہی ہمیں درانتیاں اچھی طرح تیز کرا لینی چاہییں تاکہ فصل اچھی طرح سے کاٹی جا سکے۔"

"واہ! کیا بات ہے...... درانتیاں نہیں قینچیاں کہو...... اس بار ہم درانتیوں کے بجائے فصل کاٹنے کے لیے قینچیاں استعمال کریں گے۔"

یہ سن کر کسان جھلا اٹھا۔

"تم واقعی الٹی کھوپڑی کی مالک ہو...... رائی کی فصل بھی بھلا قینچی سے کٹتی ہے...... تم پاگل تو نہیں ہو؟"

"پاگل ہو گے تم! ہم فصل قینچی سے ہی کاٹیں گے۔"

"پاگل نہ بنو! میں قینچی کو پاس بھی لانے نہیں دوں گا"

"میں بھی درانتی کو ہاتھ نہیں لگانے دوں گی۔"

"نہیں...... قینچی نہیں...... درانتی۔"

"نہیں...... درانتی نہیں...... قینچی۔"

"لوگ ہمیں رائی قینچی سے کاٹتے ہوئے دیکھیں گے تو ہمارا مذاق اڑائیں گے۔"

"نہیں...... وہ درانتی کو دیکھ کر مذاق اڑائیں گے۔"

"تم بے وقوف ہو...... فصل کاٹنے کے لیے درانتی استعمال ہوتی ہے۔"

"یہ کون کہتا ہے...... قینچی استعمال ہوتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو...... میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ فصل درانتی سے ہی کٹے گی۔"

"پھر میرا بھی فیصلہ سن لو...... قینچی ہی استعمال ہو گی

یہ بحث کرتے ہوئے وہ دونوں ندی کی پل پر سے گزرنے لگے۔ بیوی کو اتنا غصہ آیا ہوا تھا کہ یہ بھی احساس نہ ہوا کہ اس پل کی تو منڈیر ہی نہیں ہے۔ اس نے جو غصے میں پلٹ کر اپنے شوہر کو جواب دیا، تو اس کا پاؤں کنارے سے باہر جا پڑا اور وہ خود کو سنبھال نہ سکی۔ دوسرے ہی لمحے وہ دھڑام سے ندی میں جا گری۔ پانی وہاں زیادہ گہرا تھا اور اسے تیرنا بھی نہیں آتا تھا۔ وہ ڈبکیاں کھانے لگی۔ پہلی ڈبکی کے بعد جب وہ ابھری، تو اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ اس نے مدد کے لیے چلانے کے بجائے کہا۔

"قینچی...... صرف قینچی۔"

اس کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ شوہر تنگ آ چکا تھا۔ اسے اس پر ذرا بھی ترس نہ آیا۔ اس نے فوراً جواب دیا۔

"درانتی۔"

اب بیوی نے جلدی جلدی غوطے کھانے شروع کر

دیے، لیکن جتنی بار بھی وہ پانی سے ابھری، اس نے صرف قینچی ہی کہا۔ کسان بھی جواب ہٹ دھرمی سے دیتا رہا۔ اس نے بھی درانتی والا اپنا فیصلہ نہ بدلا۔

پھر وہ بہت دیر تک پانی میں غائب رہی۔ آخری بار جب وہ ابھری، تو وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ اس کی بولنے کی قوت جواب دے چکی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنا ایک ہاتھ پانی کی سطح سے بلند کیا اور اپنی دو انگلیوں سے قینچی کا اشارہ کیا۔

کسان بھی اپنی ضد سے باز نہ آیا۔ اس نے بھی جواب میں اپنے ہاتھ سے درانتی کا اشارہ کر دیا۔

پھر الٹی کھوپڑی پانی میں ڈوب گئی۔ کسان کچھ دیر انتظار کرتا رہا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ ہمیشہ کے لیے ڈوب گئی ہے، تو اس نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔

"ارے لوگو! دوڑ کر آؤ...... الٹی کھوپڑی پانی میں ڈوب گئی ہے...... اسے بچاؤ...... جلدی کرو۔"

آس پاس کے لوگ سب کسان بھاگ کر آئے۔ وہ تیرنا جانتے تھے۔ انھوں نے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ وہ اسی جگہ ڈھونڈتے رہے۔ پھر وہ پانی کے بہاؤ کی طرف چلنے لگے، تو کسان نے انھیں روک کر کہا۔

"نہیں...... بھائیو! نہیں...... تم اس الٹی کھوپڑی کو اچھی طرح سے جانتے ہو اور پھر بھی پانی کے بہاؤ کی طرف اسے ڈھونڈنا چاہتے ہو...... وہ ضرور چڑھاؤ کی طرف گئی ہوگی۔"

لوگ سمجھ گئے، وہ کوشش کر کے چڑھاؤ کی طرف تیرنے لگے اور بہت جلد الٹی کھوپڑی انھیں پانی میں اگی ہوئی ایک جھاڑی میں پھنسی مل گئی۔ اس کے ایک ہاتھ کی دو انگلیاں کے انداز میں کھلی ہوئی تھیں۔۔ وہ تو مر چکی تھی، لیکن یوں وہ اپنے فیصلے پر اب بھی قائم تھی۔

کسان روتا دھوتا بیوی کی لاش گھر لے گیا۔ شام کو اسے دفن کر دیا گیا، تو کسان نے یادگار کے طور پر اس کی قبر کے سرہانے ایک درانتی گاڑ دی۔ وہ آج بھی وہاں گڑی ہوئی ہے۔

☆☆۔

"جیت"

از قلم: علی اکمل تصور۔ قصور

ریسلنگ کی چیمپئن شپ کے لیے عالمی مقابلہ منعقد ہو چکا تھا۔ دنیا بھر سے منتخب پہلوان امریکا پہنچ چکے تھے۔ ساری دنیا اس مقابلے کو دیکھنے کے لیے بے قرار تھی۔ بین الاقوامی طور پر اس مقابلے کو براہ راست ٹی وی پر دکھانے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ مقابلے کی خاص بات یہ تھی کہ حکومت کی طرف سے جیتنے والے کو ایک کروڑ روپے دینے کا اعلان کیا گیا تھا اور انعام کی رقم کو حاصل کرنے کے لیے تمام پہلوان بے چین تھے۔ وہ رات دن مشق جاری رکھے ہوئے تھے۔ لیکن ان میں ایک آدمی ایسا بھی تھا جو بہت پریشان تھا۔ یہ مائیکل تھا۔ اس نے ریسلنگ کے چھوٹے موٹے مقابلوں میں شاندار کامیابیاں حاصل کر رکھی تھیں اور یہ اس کی زندگی کا پہلا بڑا مقابلہ تھا۔

اس مقابلے میں اس کا سامنا بلال سے بھی ہونا تھا۔ جو افریقہ سے تعلق رکھتا تھا اور عالمی چیمپئن بھی تھا۔ اسے بلال سے مقابلہ کرتے ہوئے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ کیوں کہ آج تک بلال نے کبھی شکست نہیں کھائی تھی۔ دوسری طرف مائیکل کو بھی ہر صورت میں جیتنا تھا۔ ویسے بھی جیتنا اس کی مجبوری تھی کیوں کہ اس کا اکلوتا بیٹا بیمار تھا۔

مائیکل رنگ میں مشق کر رہا تھا اور اپنے بیٹے کے متعلق ہی سوچ رہا تھا کہ اچانک اس کے کانوں سے ایک آواز ٹکرائی۔ "مائیکل! تمھارا فون ہے۔"

آنے والے نے موبائل مائیکل کی طرف بڑھا دیا۔

"ہاں...... بول رہا ہوں......" مائیکل ہانپتے ہوئے بولا۔ مسلسل مشق کرنے کی وجہ سے وہ تھک گیا تھا۔

"یہ میں ہوں...... میری، جان کی طبیعت بہت بگڑ گئی ہے۔ وہ بے ہوش ہو چکا ہے۔ فوراً چلے آؤ۔"

دوسری طرف اس کی والدہ بات کر رہی تھی۔ اپنے بیٹے کے بے ہوش ہو جانے کا سن کر اسے چکر آ گیا۔ اس نے موبائل ایک طرف پھینکا اور پھر رنگ میں سے باہر چھلانگ لگا دی۔ وہ آناً فاناً پارکنگ میں پہنچا۔ اپنی موٹر سائیکل نکالی اور ہوا ہو گیا۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں سے گزر رہا ہے۔ وہ تو بس جلد سے جلد اپنے بیٹے کو ہسپتال پہنچانا چاہ رہا تھا اور پھر وہ چونک پڑا۔ اسے اپنے عقب میں پولیس کا سائرن بجتا سنائی دیا تھا اور وہ لرز کر رہ گیا۔

اس وقت وہ یک طرفہ سڑک پر موجود تھا۔ مخالف سمت سے آتی گاڑیاں اسے راستہ دے رہی تھیں۔ خود کو یک طرفہ سڑک پر محسوس کر کے وہ رک گیا۔ اتنے میں پولیس کی جیپ بھی اس کے سر پر پہنچ چکی تھی۔ پولیس نے مائیکل کو حراست میں لے لیا۔ "اے مسٹر، کیا تم پاگل ہو......" پولیس انسپکٹر غصے سے بولا۔

"سر...... میں مجبور ہوں۔ مجھے جانے دیجیے۔ مجھے جلدی ہے۔" مائیکل سٹ پٹا گیا۔

"اس شہر میں سب کو جلدی ہے۔ لیکن قانون کا احترام سب پر فرض ہے۔ تم نے قانون توڑا ہے، تمھیں اس کی سزا ملے گی۔" انسپکٹر کا لہجہ بہت سخت تھا۔

"جناب، میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ آپ کا بچہ بیمار ہو، اس کے دماغ میں کینسر کا پھوڑا ہو۔ پھر آپ کیا کریں گے؟" مائیکل کہتے کہتے رو پڑا۔

"میرے بچے کے دماغ میں کینسر ہے، وہ مر رہا ہے اور مجھے اسے ہسپتال پہنچانا ہے۔ ایسے میں ایک مجبور باپ قانون کا احترام کیسے کر سکتا ہے؟" اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

انسپکٹر کا دل پسیج گیا۔ اس نے مائیکل کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "میرے دوست، مجھے تم سے ہمدردی ہو رہی ہے۔ جاؤ اور اپنے بچے کو بچاؤ......"

"میں آپ کا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا......" مائیکل نے انسپکٹر کا ہاتھ تھام لیا۔

انسپکٹر مسکرایا اور بولا۔ "میں خدا سے دعا مانگوں گا کہ تمھارا بچہ جلد صحت یاب ہو جائے۔"

اس کی بات سن کر مائیکل کے ہونٹوں پر مردہ سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ پھر اس نے اپنی موٹر سائیکل کا رخ بدلا اور اپنے گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔ لیکن اس کے ذہن میں انسپکٹر کا چہرہ نقش ہو کر رہ گیا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ اس کی جگہ کوئی اور انسپکٹر ہوتا تو اسے کبھی معاف نہ کرتا اور اگر وہ گرفتار ہو جاتا تو پھر اس کے

بیٹے کا کیا بنتا۔ تھوڑی سی تاخیر اس کے بیٹے سے اس کی زندگی چھیننے کا سبب بن سکتی تھی۔ اب وہ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا جو ایسا مہربان انسپکٹر اسے مل گیا تھا۔ اس کا سفر جاری تھا۔ پھر 15 منٹ بعد وہ اپنے گھر پہنچ گیا۔ اس کا بیٹا ہوش میں آ چکا تھا اور اب درد کی شدت سے کراہ رہا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو آغوش میں سمیٹ لیا۔ ’میرے بچے، میں آ گیا ہوں۔ اب میں تاخیر نہیں کروں گا۔ میں ابھی تمہیں ہسپتال لے کر جاتا ہوں۔ وہاں تمہارا آپریشن ہوگا۔ پھر تم صحت یاب ہو جاؤ گے۔‘‘ اس نے اپنے بیٹے کو گود میں اٹھا لیا۔

’’بیٹے، ہمارے پاس اتنی رقم موجود نہیں ہے جو ہم ہسپتال کے اخراجات پر خرچ کر سکیں......‘‘ اس کی والدہ نے اسے ایک ایسی بات یاد دلائی جسے وہ فراموش کر چکا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے جیسے اس کی کمر ٹوٹ کر رہ گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے موجود منظر دھندلا گیا۔

’’تو کیا میرا بچہ مر جائے گا؟‘‘ اس نے جیسے خود سے سوال کیا۔

’’نہیں، میں اپنی زندگی کی آخری سانس تک لڑوں گا۔‘‘ اس نے جیسے اپنے وجود میں اٹھنے والے سوال کا گلا گھونٹ دیا۔

’’چلو میرے بچے ہسپتال چلتے ہیں۔‘‘ وہ اپنے بیٹے کو گود میں اٹھائے گھر میں سے باہر نکل آیا۔ اس کی والدہ اس کے پیچھے آ رہی تھی۔ اس نے ڈرائیور کو اشارہ کیا اور پھر ٹیکسی میں بیٹھ کر وہ جلد ہی ہسپتال پہنچ گئے۔ مائیکل کے بیٹے کو ایمرجنسی وارڈ میں داخل کر لیا گیا اور اب ڈاکٹروں کی پوری ایک ٹیم اسے ابتدائی طبی امداد دے رہی تھی۔ مائیکل بے چینی سے راہ داری میں ٹہل رہا تھا اور پھر طویل انتظار کے بعد ایمرجنسی سے انچارج ڈاکٹر باہر نکلا۔ مائیکل تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

’’میرے بچے کی طبیعت کیسی ہے؟‘‘ وہ بے چینی سے بولا۔ ڈاکٹر نے چند لمحوں تک کچھ سوچا اور پھر سنجیدگی سے بولا۔ ’’بچے کی دماغی حالت تھوڑی پیچیدہ ہے لیکن اس کا علاج ہو جائے گا۔ آپریشن کرنا پڑے گا۔ دماغ کے ساتھ ٹیومر موجود ہے۔ اگر دیر کی گئی تو اس کے پھٹنے کا ڈر ہے۔‘‘

’’ڈاکٹر صاحب، آپ علاج شروع کیجیے۔ میں تمام اخراجات ادا کر دوں گا۔‘‘ مائیکل نے ڈاکٹر کا ہاتھ تھام لیا۔

’’وہ تو ٹھیک ہے لیکن علاج کے لیے خاصی بڑی رقم کی ضرورت پڑے گی......‘‘

’’ڈاکٹر صاحب، وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ اس کی امی تو مجھے اور اسے چھوڑ کر خدا کے پاس چلی گئی ہے لیکن میں اپنے بیٹے کو اپنے پاس رکھوں گا۔ میں اس کو بچانے کے لیے خود کو بیچ دوں گا......‘‘ مائیکل غم کی شدت سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

’’لیکن تم اتنی رقم کہاں سے لاؤ گے؟‘‘ ڈاکٹر نے پوچھا۔ ’’میں...... میں ایک فائٹر ہوں۔ وہ جو ریسلنگ کا بین الاقوامی مقابلہ ہو رہا ہے، میں اس میں مقابلہ لڑ رہا ہوں اور اپنے بیٹے کی زندگی کے لیے اپنی زندگی کی آخری سانس تک لڑوں گا۔ آپ میرے بیٹے کا علاج کیجیے۔ میں انعام کی رقم کا ایک کروڑ روپیا آپ کو دے دوں گا......‘‘

مائیکل کی آنکھوں میں تیز چمک موجود تھی۔ ڈاکٹر مسکرایا اور بولا۔ ’’خدا تمہارا محافظ ہو......‘‘ اتنا کہہ کر وہ ایمرجنسی روم کی طرف واپس لوٹ گیا۔

مائیکل نے اپنی والدہ کو ہسپتال میں چھوڑا اور خود ٹورنامنٹ میں واپس لوٹ آیا۔ اب وہ اپنی پریکٹس میں پہلے سے زیادہ ایکٹیو ہو چکا تھا۔ اس کے جوش کو دیکھتے ہوئے اس کے ساتھی حیرت زدہ ہو جاتے تھے اور پھر ٹورنامنٹ کا آغاز ہو گیا۔ مقابلے ہوتے رہے۔ ہار جیت ہوتی رہی۔ مائیکل فتح کے جھنڈے گاڑ رہا تھا۔ پھر فیصلہ کن دن آ پہنچا۔ اسٹیڈیم میں 5 لاکھ سے زیادہ لوگ موجود تھے۔ ریسلنگ کی عالمی چیمپئن شپ کے لیے مائیکل کا بلال سے مقابلہ ہو رہا تھا اور یہ وہی بلال تھا جس نے آج تک کوئی مقابلہ نہیں ہارا تھا۔ آج مائیکل اسے ہرا کر اپنی منزل تک پہنچ سکتا تھا۔ بلال سابقہ چیمپئن تھا۔ وہ ایک سیاہ فام ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ سر کے بال چھوٹے اور گھنگھریالے تھے بازو کی مچھلیاں تنی ہوئی تھیں۔ وہ دیکھنے میں ایک سیاہ پہاڑ نظر آتا تھا اور اب وہ مائیکل کو گھور رہا تھا۔ پھر وہ غرا کر بولا۔

’’اے مسٹر، میں ایک بہت خوف ناک آدمی ہوں۔ بہتر یہی ہے کہ مجھ سے مقابلہ مت کرو۔ ورنہ چھے ماہ تک ہسپتال سے واپس نہیں لوٹ پاؤ گے......‘‘

مائیکل مسکرایا اور بولا۔ ’’یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ کون ہسپتال جاتا ہے۔ پہلے مجھ سے پنجہ تو لڑا لو۔‘‘ اس نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے بلال کو للکارا۔ ’’اچھا، تو تمہیں اپنی طاقت پر بہت غرور ہے لیکن تم میرا مقابلہ نہیں کر پاؤ گے۔ میں وہ ہوں جس نے آج تک شکست کا چہرہ نہیں دیکھا۔‘‘

’’لیکن آج تم شکست کا چہرہ دیکھو گے۔‘‘ مائیکل کی بات نے بلال کو جیسے آگ لگا دی۔ وہ لہرا کر لپکا اور پھر اس نے مائیکل کو اٹھا کر کاک بورڈ پر دے مارا۔ مائیکل کی کمر میں زور کی ضرب لگی تھی لیکن وہ برداشت کر گیا۔ بلال ہاتھ اٹھا کر تماشبینوں سے داد وصول کر رہا تھا اور چیخ رہا تھا۔ ’’میں ہی جیتوں گا...... میں ہی جیتوں گا......‘‘

’’پھر مائیکل چیتے کی سی پھرتی سے لپکا اور بلال کو ایک کے بعد ایک، اپنے گھونسوں پر رکھ لیا، مائیکل نے بلال کا ہاتھ پکڑ کر اسے رسیوں کی طرف اچھال دیا۔ رسیوں سے ٹکرا کر بلال اپنے زور میں مائیکل کی طرف بڑھا۔ مائیکل اسے اچھالنے کے لیے نیچے جھکا اور پھر جیسے مائیکل قیامت کی زد میں آ گیا۔ بلال نے مائیکل کے پاس رکتے ہوئے اس کے پیٹ میں لات ماردی اور اسے اٹھا کر دوبارہ فرش پر پٹخ دیا۔ مائیکل پیٹ پر ہاتھ رکھے کراہنے لگا اور پھر آنے والے چند لمحوں میں بلال نے مائیکل کو دھنک کر رکھ دیا۔ جب مائیکل ادھ موا ہو گیا تو اسے اٹھا کر رنگ میں سے باہر پھینک دیا۔ اب ریفری گنتی گن رہا تھا۔

’’ایک...... دو...... تین......‘‘ اگر دس گنتے تک مائیکل رنگ میں واپس نہ آتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ مائیکل ہار چکا ہے اور مائیکل کو بھی اس بات کا شدت سے احساس تھا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے اٹھا اور دوبارہ رنگ کی طرف بڑھا۔ تماشائی اس کو داد دے رہے تھے۔

مائیکل کو تو اپنے بیٹے کی زندگی بچانے کے لیے ہر قیمت پر جیتنا تھا اور اس کی جسمانی حالت ایسی تھی کہ یہ جنگ جیتنا اسے ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن پھر بھی ایک امید تھی جو اس کا حوصلہ ٹوٹنے نہیں دے رہی تھی۔ ’’آٹھ...... نو...... دس......‘‘ ریفری چلا رہا تھا اور مائیکل دوبارہ

رنگ میں پہنچ چکا تھا۔ تماشائی بہت پرجوش نظر آ رہے تھے ۔بلال تحسین آمیز نظروں سے مائیکل کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"دوست...... اپنی شکست تسلیم کرلو...... تم جیت نہیں سکتے ...... مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ میں تم سے مقابلہ نہیں کرنا چاہتا......" بلال کا لہجہ بدل چکا تھا۔ اس کے دل میں مائیکل کے لیے ہمدردی اتر آئی تھی۔

"میں آخری سانس تک تم سے نہیں ہار مانوں گا...... میں...... میں تم سے لڑوں گا...... آؤ مجھ سے مقابلہ کرو......" مائیکل ہانپتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اگر تم انعام کی رقم حاصل کرنے کے لیے ہار نہیں مان رہے ہو تو میرا تم سے وعدہ ہے، میں ساری رقم تمھیں دے دوں گا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں چیمپئن ہوں......" بلال نے پیار سے کہا۔

مائیکل کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "تم ...... تم خود غرض ہو ...... مجھے بھیک نہیں چاہیے۔ مجھے شکست دے کر ہی تم چیمپئن بن سکتے ہو۔ آؤ...... مجھ سے مقابلہ کرو......"

مائیکل کی بات سن کر بلال کو پھر سے غصہ آ گیا۔ وہ آگے بڑھا اور پھر مائیکل کا ہاتھ پکڑ کر اسے رسیوں کی طرف دھکیل دیا۔ مائیکل رسیوں سے ٹکرایا اور پھر وہیں ڈھیر ہو گیا۔

"بے وقوف آدمی، یہاں بھی تم پاگل پن دکھلا رہے ہو۔ ایسے تو تم مر جاؤ گے......" اس کے کانوں سے ایک جانی پہچانی آواز ٹکرائی۔ اس نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا اور پھر وہ خوش ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے وہی مہربان انسپکٹر موجود تھا جس نے یک طرفہ سڑک پر مخالف سمت سے آنے کے باوجود اس کا چالان نہیں کیا تھا۔

"تم تو اپنے بیٹے کو ہسپتال لے کر جانے والے تھے پھر یہاں کیوں مار کھا رہے ہو؟" انسپکٹر کا لہجہ سوالیہ تھا۔

"وہ...... وہ میرا بیٹا ہسپتال میں موجود ہے۔ اس کے علاج کے لیے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے اور وہ رقم مجھے یہ فائٹ جیت کر ہی مل سکتی ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں زندگی کی آخری سانس تک لڑوں گا۔" وہ سسک پڑا۔

"لیکن یہ جو حبشی پہلوان ہے۔ اس نے ہمیشہ اپنے مخالف کے منہ سے ہار کا اعلان کروایا ہے...... اگر تم اڑے رہے تو مارے جاؤ گے......" انسپکٹر چیخا۔

"اگر میرا بیٹا زندہ نہ رہا تو میں زندہ رہ کر کیا کروں گا"

مائیکل ہمت کر کے ایک بار پھر کھڑا ہو چکا تھا اور بلال حیرت سے مائیکل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے انسپکٹر اور مائیکل کے درمیان ہونے والی بات چیت سن لی تھی اور اب وہ سن ہو کر رہ گیا تھا۔ چیمپئن شپ کی ہار جیت کے درمیان ایک بچہ زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا تھا اور بلال جانتا تھا کہ مائیکل اس سے مدد نہیں لے گا۔

پھر وہ ایک نتیجہ پر پہنچ گیا۔

مائیکل لڑکھڑاتے ہوئے بلال کے پاس پہنچ کر رکا اور پھر اس نے ایک زور کا گھونسا بلال کے پیٹ میں دے مارا ۔اس گھونسے میں جانے کیا بات تھی۔ بلال تڑپ کر فرش پر گرا اور پھر اس کی کمر فرش سے لگ گئی۔ مائیکل اس کے اوپر سوار تھا اور پھر ریفری چلانے لگا۔ "ایک دو تین......"

تماشائیوں نے شور مچا مچا کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔

مائیکل زندگی کی جنگ جیت چکا تھا اور انسپکٹر یہ سارا منظر حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ ریفری نے مائیکل کا بازو اٹھا کر اس کی جیت کا اعلان کر دیا۔ ایسے میں مائیکل نے بلال کی طرف دیکھا۔ بلال فرش سے اٹھ چکا تھا اور پھر اس نے مائیکل کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنی انگلیاں اٹھا کر وکٹری کا نشان بنایا۔ اس کے ساتھ ہی مائیکل لپک کر بلال کی طرف بڑھا۔ "تم نے ایسا کیوں کیا......؟" مائیکل نے چیخ کر کہا۔

بلال کی آنکھوں میں موجود چمک گہری ہو گئی۔ "اس لیے کہ میں ایک مسلمان ہوں اور ایک سچا مسلمان اپنی خوشی کے لیے نہیں اپنے اللہ کی خوشنودی کے لیے ہر کام کرتا ہے اور آج میں نے جو کام کیا ہے وہ اپنے اللہ کی رضا کے لیے کیا ہے۔ میں چیمپئن نہیں رہا تو کیا غم ہے۔ میری اتنی سی قربانی سے تمھارے بچے کی زندگی بچ جائے گی۔ یہی میری سب سے بڑی جیت ہے......"

بلال کی بات سن کر مائیکل کا سر جھک گیا۔ پھر اس نے بلال کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو موجود تھے۔ "تم بھی عظیم اور تمھارا مذہب بھی عظیم ہے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ میں جیت کر ہار گیا اور تم ہار کر جیت گئے۔ سچے چیمپئن تو تم ہو......"

مائیکل کی بات سن کر بلال مسکرایا اور بولا۔ "اب تم ہسپتال جاؤ۔ وہاں تمھارا بچہ تمھارا منتظر ہوگا......"

"ٹھیک ہے لیکن اپنے بیٹے کے آپریشن کے بعد میں دوبارہ تمھارے پاس آؤں گا۔"

مائیکل کی بات سن کر بلال چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اسلام قبول کرنے کے لیے۔ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔" مائیکل نے مسکرا کر کہا۔

مائیکل کی بات سن کر بلال نے اپنے بازو پھیلا دیے اور مائیکل اس سے لپٹ گیا۔ بلال کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے حقیقت میں آج اس کی جیت ہوئی ہے۔

خوف ناک گمراہ

حفصہ حسین

موبائل کی گھنٹی بجی، تو انھوں نے جیب سے موبائل نکالا اور دیکھا تو کسی اجنبی نمبر سے فون آ رہا تھا۔

"جانے کون ہے؟"

وہ بڑبڑائے اور اوکے کا بٹن دبا کر فون کان سے لگا دیا۔ "السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! کیا آپ فیاض صاحب بول رہے ہیں؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"جی ہاں! آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"میں نے اس لیے فون کیا ہے کہ آپ کو بتا سکوں کہ آپ کا بیٹا فاروق ایک حادثے میں شدید زخمی ہو گیا ہے اور وہ اس وقت کوثر ہسپتال میں داخل ہے...... اس کی حالت بہت نازک ہے۔" "کک...... کک...... کیا......"

لیکن فون تو کب کا بند ہو چکا تھا۔ فیاض صاحب تو فاروق کے حادثے کے بارے میں سنتے ہی پریشان ہو گئے۔ انھوں نے فوراً باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ سب ملازم انھیں یوں بھاگتا دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔ بھلا پہلے کب انھوں نے انھیں یوں بھاگتے دیکھا تھا۔ انھیں کیا معلوم کہ فیاض صاحب کا اکلوتا بیٹا شدید زخمی ہو کر ہسپتال میں زندگی

اور موت کی کش مکش میں مبتلا پڑا ہے اور وہ بھاگیں بھی ناں۔ باہر فیاض صاحب کی کار کھڑی تھی۔ وہ اس میں بیٹھے اور اسے چلا کر رفتار بڑھاتے گئے۔ اتنی رفتار سے انھوں نے زندگی میں پہلی بار کار چلائی تھی۔ کئی بار تو کار کسی نہ کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ یہ تو ان کی خوش قسمتی تھی کہ انھیں کوئی حادثہ پیش نہ آیا اور وہ خیریت سے کوٹلہ ہسپتال پہنچ گئے۔ کار کا دروازہ بند کیے بغیر وہ سیدھے ہنگامی مرکز کی طرف بھاگے۔ وہاں جا کر انھوں نے استقبالیہ سے پتا کیا، تو انھیں پتا چلا کہ اس نام کا کوئی زخمی آج پورے دن میں ہسپتال میں نہیں آیا ہے۔

یہ سن کر وہ پریشان ہو گئے۔ کچھ سوچ کر انھوں نے وہ نمبر ملایا جس سے انھیں فاروق کے بارے میں اطلاع دی گئی تھی۔ اسی لڑکے نے ان کا فون سنا۔

"آپ کو پتا چل گیا ہوگا۔"

یہ سن کر فیاض صاحب حیرت سے بول اٹھے۔

"کس بات کا مجھے پتا چل گیا ہوگا؟"

"اسی بات کا کہ آج فرسٹ اپریل فول ہے۔"

لڑکے نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔

"کک...... کک کیا!!!!!!؟؟"

لیکن لڑکا تو کب کا فون کاٹ چکا تھا۔

وہ اپنا سر پکڑ کر رہ گئے۔

☆☆☆

وہ اپنی اس کامیابی پر قہقہے لگا رہے تھے۔ آج انھوں نے فیصلہ کیا تھا کہ دوسروں کو بے وقوف بنانے کے بجائے اپنے گھر والوں کو بے وقوف بنا کر دیکھا جائے کہ کیا ہوتا ہے۔ ہر سال جب بھی یکم اپریل ہوتی تھی، سب ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے اور لوگوں کو بے وقوف بناتے رہتے۔ پھر وہ بہت خوش ہوتے تھے۔ جانے دوسروں کو تکلیف پہنچا کر انھیں کیا خوشی حاصل ہوتی تھی۔

"فاروق! کتنے مزے کا وہ منظر ہوگا......"

"کون سا منظر؟"

"جب تمھارے ابو بھاگتے ہوئے ہسپتال پہنچے ہوں گے اور وہاں سے انھیں پتا چلا ہوگا کہ یہاں تو اس نام کا کوئی شدید زخمی نہیں آیا ہے۔"

وقاص کی بات سن کر کاشف، ناصر اور فاروق بے اختیار قہقہے لگانے لگے۔

"اب میری باری ہے۔"

اتنا کہہ کر فاروق نے اپنے موبائل سے وقاص کے گھر کا نمبر ملایا۔ وقاص کی امی نے فون اٹھایا۔

"خالہ! ایک افسوس ناک اطلاع آپ کو دینا تھی"

"یا اللہ! خیر...... افسوس ناک...... کیسی افسوس ناک"

"آپ کا بیٹا وقاص شدید زخمی حالت میں اس وقت کوٹلہ ہسپتال میں داخل ہے...... مجھے اس کے موبائل سے آپ کا نمبر ملا، تو میں نے ضروری سمجھا کہ آپ کو اس کے بارے میں بتا دوں...... اس کی حالت بہت نازک ہے...... آپ جلدی سے ہسپتال پہنچ جائیں۔"

"نن...... نن نہیں ں ں ں ں ں ں ں......"

وقاص کی امی کے منہ سے اتنی بلند چیخ نکلی تھی کہ ان چاروں نے سن لی۔ اچانک وقاص کو احساس ہوا کہ اس کی امی تو پہلے ہی دل کی مریض ہیں۔ جانے یہ خبر سن کر ان کی کیا حالت ہو گئی ہوگی۔ یہ سوچ کر وقاص کا رنگ فق ہو گیا۔ کاشف، فاروق اور ناصر کو بھی اس بات کا احساس ہو چکا تھا۔ وہ چاروں تیزی سے اٹھے اور وقاص کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ وقاص کے گھر پہنچ گئے۔ وہاں لوگوں کا ہجوم دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئے۔ وقاص کی حالت بہت بری ہو چکی تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا، تو اس کے پڑوسی منیر صاحب نے اسے روک کر کہا۔

"بیٹا! یہ تو بہتر ہوا کہ میں یہاں سے گزر رہا تھا کہ تمھاری بہن کی چیخ سن کر چونک پڑا...... میں نے دستک دی، تو تمھاری بہن نے دروازہ کھولا اور مجھے بتایا کہ کسی کا فون آیا، تو امی نے سنا...... جانے کیا خبر سنی تھی کہ چیخ مار کر اپنا سینہ پکڑا اور زمین پر گر گئیں...... مجھے فوراً اندازہ ہو گیا کہ انھیں دل کا دورہ پڑا ہے، اس لیے جلدی سے میں نے فاخر صاحب کو فون کیا...... اتفاق سے وہ گھر میں موجود تھے...... وہ گاڑی لے کر چلے آئے اور یوں تمھاری امی کو کوٹلہ ہسپتال پہنچا دیا گیا ہے۔"

یہ سن کر وہ سب الٹے پاؤں بھاگ اٹھے۔ اب کی بار ان کا رخ کوٹلہ ہسپتال کی طرف تھا۔ وہ وہاں پہنچے، تو پتا چلا کہ وہ آئی۔ سی۔ یو میں داخل تھیں اور ڈاکٹر ان کا علاج کر رہے ہیں۔ انتظار کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ ان چاروں کے لبوں پر دعائیں تھیں۔ وقاص تو رو رہا تھا۔ ان سب کو اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے اس گناہ کی معافی مانگ رہے تھے۔ انھیں وہاں آئے ہوئے تین گھنٹے گزر چکے تھے، لیکن کمرے کا دروازہ ابھی تک بند تھا۔ ان کی نظریں دروازے پر ہی جمی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا، تو دو ڈاکٹر باہر نکلے۔

وقاص تیزی سے آگے بڑھا اور ایک ڈاکٹر سے پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحب! اب میری امی کی حالت کیسی ہے؟

"دل کا شدید دورہ تھا...... اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب حالت خطرے سے باہر ہے، لیکن ابھی وہ بے ہوش ہیں، اس لیے تم ابھی ان سے نہیں مل سکتے۔" یہ سنتے ہی ان کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگے۔

پھر کچھ سوچ کر انھوں نے باہر کا رخ کیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ فاروق کے گھر جا رہے تھے۔ آخر معافی مانگ کر اپنے گناہ کی تلافی تو کرنا ہی تھی۔

(وہ چاروں فیاض صاحب کے سامنے سر جھکائے بیٹھے تھے۔ فیاض صاحب انھیں افسوس بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

"پتا ہے کہ تم لوگ اپنا مذاق خود اڑانے کے لیے اپریل فول مناتے ہو؟"

"کک...... کک کیا مطلب؟" وہ چاروں چلا اٹھے وہ حیرت سے فیاض صاحب کو دیکھ رہے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ ہم تو دوسروں کو بے وقوف بناتے تھے۔ بھلا ہم اپنا مذاق کیسے اڑا سکتے ہیں۔

"میں تمھیں بتاتا ہوں کہ تم لوگ کس طرح اپنا مذاق خود اڑاتے ہو...... اسلام کے ازلی دشمنوں نے کئی سو سال پہلے ایک بڑے علاقے میں ہماری اسلامی حکومت ختم کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا...... وہاں کے مسلمانوں کو انھوں نے بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا تھا...... ان سے بچنے کے لیے کچھ مسلمان سمندر کے کنارے کنارے بھاگ رہے تھے کہ کچھ دشمنوں نے انھیں روک کر ان سے وعدہ کیا کہ وہ نہ بھاگیں...... وہ انھیں حفاظت سے کسی مسلمان ملک پہنچا دیں گے...... مسلمان ان کے دھوکے میں آ گئے...... دشمنوں نے انھیں ایک بحری جہاز میں سوار کرا لیا...... جب وہ سمندر کے درمیان میں پہنچے، تو اس بحری جہاز کو ڈبو دیا گیا...... اس بحری جہاز میں جتنے بھی مسلمان سوار تھے...... سب ڈوب گئے...... سمندر کے کنارے کھڑے

دشمنوں نے یہ دیکھ کر خوب قہقہے لگائے اور خوشی کا اظہار کیا ......اس دن یکم اپریل تھی...... وہ ہر سال اپنی اس فتح کی خوشی میں اپریل فول مناتے ہیں اور ہم ہیں کہ جانتے بوجھتے ان کے اس سنگین مذاق میں اپنے آپ کو مذاق بنا لیتے ہیں......اس مذاق میں جانے ہم خود بھی کتنا نقصان اٹھاتے ہیں اور دوسروں کا بھی کتنا نقصان کرتے ہیں...... اس بات کا احساس ہمیں اس وقت ہوتا ہے جب ہم خود نقصان اٹھاتے ہیں...... اب یہی دیکھ لو کہ اگر وقاص کی امی کو دل کا دورہ نہ پڑتا تو تمہیں اب بھی احساس نہ ہوتا بلکہ تم یہ سلسلہ جانے کب تک جاری رکھتے۔"

یہ سن کر ان کے سر مزید جھک گئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ جانے اب تک کتنے لوگوں کا انھوں نے نقصان کیا تھا۔ انھوں نے فیاض صاحب سے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کریں گے بلکہ دوسروں کو بھی اس کے نقصانات سے آگاہ کریں گے۔ یہ دیکھ کر فیاض صاحب نے انھیں شاباش دی۔

"بیٹا! یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ تمہیں اس بات کا احساس ہو گیا ہے...... امید ہے کہ تم دوسروں کو بھی اس کے نقصانات سے آگاہ کرتے رہو گے کہ ایسی فضولیات کی وجہ سے ہم نہ صرف دوسروں کو پریشان کرتے ہیں بلکہ خود بھی موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں...... جانے یہ خوف ناک گمراہی ہمیں کہاں لے جائے گی......اس گمراہی سے دوسروں کو بھی بچاؤ۔"

انھوں نے فیاض صاحب سے اجازت لی اور ہسپتال چل دیے۔ آخر انھوں نے وقاص کی امی کی عیادت بھی کرنا تھی اور ان سے معافی بھی تو مانگنا تھی۔)

☆☆☆

چڑیا اور جگنو

از قلم : رابعہ خالد

غروب ہوتے سورج کے پھیلے رنگ آسمان کی دلکشی میں اضافہ کر رہے تھے پرندوں کا ایک غول اپنے گھر کی طرف رواں دواں تھا یہ منظر بادلوں میں اٹھکیلیاں کرتا ہوا شام کی خوبصورتی میں چار چاند لگا رہا تھا تیز ہوا کے جھونکوں کی آواز پتوں کی سرسراہٹ اور پرندوں کی چہچہاہٹ دل موہ رہی تھی ۔اچانک۔۔۔!!

ایک چڑیا ہوا کی زد میں آ گئی اور اپنے غول سے الگ ہو گئی۔ چھوٹی سی چڑیا جس نے ابھی اونچی اڑانیں بھرنا مکمل سیکھا بھی نہیں تھا اپنوں کی قطار سے بکھرتی ہوئی زمین پر گر پڑی۔

زور سے منہ کے بل گرنے کی وجہ سے اسکا ایک پنکھ زخمی ہو گیا۔ اڑان بھرنا تو دور اس سے پر بھی پھڑ پھڑائے نہیں جا رہے تھے۔ اور دیکھتے دیکھتے چڑیا کا خاندان اس سے بچھڑ جانے کے غم سے لاتعلق ہوتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اندھیرا بڑھنے لگا چڑیا کو راستہ بھی صاف نہیں دکھ رہا تھا۔ خود کو سوکھے پتوں میں چھپائے وہ چپ چاپ درخت کے پیچھے بیٹھ گئی۔

اس درخت کی شاخ پر ایک سانپ بیٹھا تھا۔ چڑیا کی خوشبو سونگھتے ہی شکاری نظروں سے دیکھتا ہوا بنا آہٹ کیے چڑیا کی طرف بڑھنے لگا۔ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔

اس رات اللہ نے اسکی زندگی دراز کر دی چڑیا نے یکدم سانپ کو دیکھ لیا اور ایک چھوٹی سی اڑان بھرتے ہوئے پتوں کے دامن سے باہر نکل گئی اور جان بچالی

ڈری، سہمی ہوئی موت کے خوف کی آواز اسکے دل میں زور زور سے دھڑکنے لگی۔

اس وقت ایک چمک کرتی روشنی نے چڑیا کو اپنی طرف بلایا چڑیا آگے بڑھی اور دیکھا وہ جگنو تھا۔

جگنو نے چڑیا کو زخمی حالت میں دیکھ کر پوچھا "یہ کیسے ہوا؟ تم خاصی پریشان بھی لگ رہی ہو۔"

چڑیا نے ایک سانس میں سارا ماجرا سنا دیا۔

جگنو دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا دوست "تم فکر مت کرو مصیبت کا حل تلاش کرتی مدد خود تمہارے پاس آئی ہے۔ میری روشنی میں چلتے ہوئے تم گھر پہنچ سکتی ہو۔ آؤ میرے ساتھ ساتھ چلو۔"

چڑیا نے جگنو کی بات مان لی اور اللہ کا نام لیکر اسکی بھیجی مدد کی چمک کے پیچھے چلنے لگی۔

آدھے چاند کی رات تھی اور ٹم ٹم کرتے ستارے چاند سے باتیں کر رہے تھے چڑیا محفوظ مقام پر پہنچ گئی۔

اڑنے سے قاصر تھی اس لیے چڑیا نے صبح کا انتظار کرنے کا فیصلہ کیا اور جگنو کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولی" ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے آتے ہیں جو کام دوسروں کے۔"

سبق: "مشکل حالات کو اگر اسنے پیدا کیا یاد رکھو مصیبت کو مات دیتی مدد کو اسنے پہلے جنا ہے۔"

☆☆☆

بقیہ آپ کی ڈائری

بک کرا دیا۔ دکان سے باہر آنے کے بعد اس شخص نے اس لڑکی کو گھر پہنچانے کی پیش کش کی۔ جی ضرور، آپ مجھے میری والدہ کے پاس لے چلیں۔۔۔ وہ لڑکی بولی۔ لڑکی کی رہنمائی میں وہ ایک قبرستان تک جا پہنچے، لڑکی نے وہ سرخ گلاب ایک تازہ بنی ہوئی قبر پر رکھ دیا اور دعا مانگنے لگی۔۔۔ اس شخص نے جب یہ منظر دیکھا تو واپس پلٹ کر پھول والے کی دکان پر پہنچا۔ اس نے اپنا آرڈر منسوخ کرایا اور پھولوں کا ایک گلدستہ تیار کرانے کے بعد اسے ساتھ لیکر دو سو میل دور واقع اپنی ماں کے گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔

☆محبت کیسے پنپتی ہے۔

(جویریہ ثناء۔۔۔ علی پور)

محبت کیسے ہوتی ہے؟ نفیسہ نے پر تعجب لہجے میں پوچھا۔۔۔ بالکل اچانک جب آپ کو محسوس ہو کوئی آپ کے اندر اگنا شروع کر دے۔۔۔ محبت ایک دوسرے کے اندر اگتا ہے پہلے تو کسی بیج کی طرح دفن ہونا، اپنا آپ مٹا دینا اور پھر فنا ہو جانا، ایک دوسرے کے اندر جڑیں گہری ہوتی چلی جاتی ہیں اس پودے کو ہر روز جذبات کی کھاد، آنسوؤں کا پانی، سانسوں کی ہوا اور من کی حرارت اور دھوپ کی ضرورت ہوتی ہے اگر کبھی آپ کو اپنا آپ مرجھا نا محسوس ہو سمجھ لیں دوسرے من کی زمین پتھریلی ہو چکی ہے اور اس نے آپ کے اندر سے جڑیں بے دردی سے کھینچ لی ہیں، جب آپ ایک دوسرے کے اندر اگتے ہیں نا تو محبت پھول بن کر کھلتی ہے اور اس پھول کا رنگ تر و تازگی محبت کی کامیابی ہوتی ہے۔۔۔ محبت آئینہ کی طرح شفاف ہوتی ہے، اس پر ہلکی سی ناگواری کا چھینٹا بھی اسے دھندلا کر دیتا ہے، ہر خالص چیز کے ساتھ یہی مسئلہ ہے، تھوڑا سا ناخالص پن بھی کڑوا لگتا ہے اور کسی بھی میلے لفظ کی ادائیگی محبت کے سیپ کو گہنا دیتی (محبت مردہ پھولوں کی سلطنت۔ از مظہر السلام ---

☆☆☆

سپرے یا ایکریلک رنگ اور برش، گرم گوند، وال کلاک کی مشینری ہمارے گھروں میں جب چائے کا نیا سیٹ کھلتا ہے تو اُسے کچھ عرصہ بڑی احتیاط سے استعمال میں لایا



جاتا ہے لیکن کبھی کبھی بے احتیاطی ہو ہی جاتی ہے، جلدی جلدی دھونے کے باعث یا پھر انھیں ترتیب سے رکھتے وقت ایک آدھ پیالی ٹوٹ جاتی ہے یا پھر طشتری۔ کچھ عرصہ بعد اس چائے کے بچے کھچے سیٹ کو کوڑے کی نذر کر دیا جاتا ہے۔۔۔۔ ہے نا زیادتی کی بات اتنے مہنگے سیٹ کو پھینکنا۔۔!! تو آپ مختلف بچے ہوئے سیٹ کی رنگ برنگ پیالیاں اور طشتریاں جمع کر لیں۔ اب کارڈ بورڈ لیں اپنی پسند کی شکل کا ایک ہی ڈیزائن چار جگہ پر کاٹیں (یہ سائز اتنا بڑا ہو کہ بارہ طشتریاں آسانی سے کارڈ بورڈ پر سما سکیں) پھر ان چاروں کٹے ہوئے کارڈ بورڈ میں سے تین کو ایک کے اوپر ایک تہہ کی صورت گرم گوند سے اچھی طرح چپکا دیں۔ اب وسط سے ۲ انچ دائیں، بائیں، نیچے اور اوپر چار سوراخ کر لیں پھر چوتھا کارڈ بورڈ بھی تیسرے کے اوپر چپکا لیں۔ اب کھلی فضا میں من پسند رنگ کی سپرے کر کے ہر طرف سے رنگ دیں یا چاہیں تو ایکریلک رنگ برش کی مدد سے لگا لیں۔ اب کسی پرانے وال کلاک کی سوئیاں اور مشینری نکال لیں، کارڈ بورڈ کے وسط میں سوراخ کر کے اسے لگا دیں۔ اب ایک سے لے کر بارہ طشتریاں گرم گوند کی مدد سے گھڑی کیا انڈے ہر گھر میں بہت رغبت سے کھائے جاتے ہیں۔ انڈے توڑ کر نکال لیئے جانے کے بعد چھلکے کچرے کے ڈبے کی نذر ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ ان انڈے کے چھلکوں کو پھینکنے کے بجائے اوپری سطح سے چھلکے کو توڑ کر سفیدی اور زردی نکال لیں پھر احتیاط سے دھو کر انڈوں کی ٹرے میں رکھیں

اگر ٹرے نہیں ہے تو آپ ایک ناکارہ طشتری لیں، اس پر گوند کی مدد سے چھلکوں کو پیندے پر چپکا دیں۔ اب مٹی اور استعمال شدہ چائے کی پتی کو ملا لیں پھر انڈے کے چھلکے میں بھر دیں۔ اس مٹی میں آپ دھنیا، روزمیری، پودینہ، سونف، ریان، اوریگانو وغیرہ کے بیج اور پودے لگا کر باورچی خانے میں اس جگہ رکھیں جہاں دھوپ اور ہوا آتی ہو۔ خوبصورتی کے ساتھ ان بوٹیوں سے قہوہ بنا کر پیئیں یا کھانے میں استعمال کریں۔

۵: لکڑی کا بیلن اور اسٹیل کے کٹلری ہک:

اشیاء درکار: بیلن، کٹلری (پرانی اور بیکار)، ڈرل مشین، ہتھوڑی، چھوٹے باریک کیل

بہت سے کٹلری سیٹ پرانے ہو جانے کی وجہ سے اسٹور کے کمروں کی دھول اور تاریکیوں میں دفن ہو جاتے ہیں۔ تو ہم آپ کو ان کے دوبارہ استعمال کا ایک کارآمد اور خوبصورت طریقہ بتاتے ہیں۔ آپ چھری، چمچ اور کانٹے لے کر دی گئی تصویر کے مطابق سوراخ کر کے گولائی میں ہک کی شکل دے دیں۔ اب بغیر گھومنے والا ایک بیلن لے لیں۔ اس پر سوراخ شدہ چمچ، چھری اور کانٹے کو کیل اور ہتھوڑی کی مدد سے جما دیں۔ آپ کا ہک اسٹینڈ تیار ہے۔ اب چاہیں تو باورچی خانے کی کسی بھی دیوار پر لگا کر



ضرورت کی اشیاء لٹکا سکتے ہیں۔ کٹلری کے بنائے ہوئے ہک کو آپ بغیر بیلن کے دیوار پر انفرادی طور پر بھی لگا کر چائے اور کافی کے کپ اور مگ لٹکا سکتے ہیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ یہ سلسلہ آپ کو پسند آیا ہو گا۔ آپ سب اپنی قیمتی آراء سے ہمیں آگاہ کریں کہ آپ کو یہ سلسلہ کیسا لگا، اگر آپ کی کوئی فرمائش ہو تو ہمیں ضرور مطلع کریں ہم اس سلسلے میں آپ کی فرمائش کو شامل کریں گے۔ ہمیں آپ سب کے خیالات جاننے کا بے صبری سے انتظار رہے گا۔ اگلی قسط تک مجھے اجازت۔ ان شاء اللہ جلد حاضر ہونگے تب تک اپنا اور سب کا بہت خیال رکھیں۔

فی امان اللہ۔۔۔۔۔

☆☆☆

بقیہ : آپ کا باورچی خانہ

مقابلے میں تیسری پوزیشن لینے والی ریسپی

" چکن ہنی ونگز "



اشیاء درکار:

چکن ونگز: 9 عدد

ادرک پیسٹ: 1/2 کھانے کا چچ

لہسن پیسٹ: 1/2 کھانے کا چچ

نمک: 1/4 کھانے کا چچ

کالی مرچ: 1/4 چائے کا چچ

میدہ: 3 کھانے کا چچ

پیپریکا پاؤڈر: 1/4 چائے کا چچ

کارن فلور: 2 کھانے کا چچ

انڈے: 3 عدد

تیل (فرائی کے لئے): حسب ضرورت

ہنی سوس بنانے کے لئے:

لہسن: 1 کھانے کا چچ

تیل: 1 کھانے کا چچ

شہد: 3 کھانے کے چچ

نمک: 1/4 چائے کا چچ۔ کالی مرچ: 1/4 چائے کا چچ

تل کے دانے: حسب منشاء

طریقہ: سب سے پہلے ونگز میں لہسن، ادرک، نمک، کالی مرچ، پیپریکا، میدہ، کارن فلور اور انڈے شامل کر کے دو سے تین گھنٹے تک کے لیے فریج میں میرینیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں پھر سنہرا ہونے تک ڈیپ فرائی کر لیں۔ اب ایک کڑاہی لیں اس میں ایک کھانے کا چچ تیل ڈال کر گرم کریں پھر لہسن کی پیسٹ ڈال کر سٹر فرائی کریں اور تب تک مکس کر کے چچ ہلائیں جب تک ونگز اچھی طرح کوٹ نہ ہو جائیں تل چھڑک کر ڈش میں گرم گرم سرو کریں۔ (صدف شاہ۔۔۔ لاہور، پاکستان) ☆

شاعری

انچارج: صبا جرال۔ بحرین

ماضی کے جھروکے میں مرزا غالب (انتخاب) (دوسرا حصہ)

غالب کے اس اندازِ بیان کو سمجھنے کے لئے یہ اشعار ملاحظہ ہوں کہ استدلال کا یہ انداز کس طرح شاعر کے جذبات واحساسات کی معنویت میں اضافہ کرتا ہے۔

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پر خار دیکھ کر
جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی
رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

غالب نے قول محال کے استعمال سے بھی اپنی شاعری میں حسن وخوبی پیدا کی ہے۔قول محال سے مراد یہ ہے کہ کسی حقیقت کا اظہار اسطرح کیا جائے کہ بظاہر مفہوم عام رائے کے الٹ معلوم ہو مگر غور کریں تو صحیح مفہوم واضح ہو۔قول محال دراصل ایک طرف ذہنی ریاضت ہے۔اس سے ایک طرف اگر شاعر کی قوت فکر کا انحصار ہوتا ہے تو دوسری طرف قاری کو بھی ذہن ودماغ پر زور دینا پڑتا ہے۔اس سے شاعر لطیف حقائق کی طرف اشارہ ہی نہیں کرتا بلکہ حیرت و استعجاب کی خوبصورت کیفیات بھی پیدا کرتا ہے۔اس سلسلے میں غالب کے اشعار

مانا میر اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

حالی نے بڑے زور وشور کے ساتھ غالب کی شاعری کی اس خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔وہ یہ ہے کہ اس میں معانی کی مختلف سطحیں موجود ہیں۔غالب کے بہت سے اشعار ایسے ہیں۔جن کی فلسفیانہ، سیاسی اور شخصی تفسیر ہم ایک وقت کر سکتے ہیں۔ایسے اشعار ان ترشے ہوئے ہیروں کی مانند ہیں جن کی آب وتاب اور خیرگی سے ہر زاویہ نگاہ سے لطف اندوز ہوا جاسکتا ہے۔اور شاید یہی وجہ ہے کہ آج تک غالب کی کئی شرحیں لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جارہی ہیں۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
اگ رہا ہے درو دیوار سے سبزہ غالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے



غالب نے اپنی شاعری میں رمز وایمائیت سے بھی حسن پیدا کیا ہے۔انہوں نے زندگی کی بڑی بڑی حقیقتوں اور گہرے مطالب کو رمز وایما کے پیرائے میں بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ انہوں نے اردو غزل کی روایت میں تصوف نے جو رمز وایمائیت پیدا کی اسے اپنے لیے شمع راہ بنایا۔یوں انہوں نے سیاسی اور تہذیبی، معاشرتی موضوعات کو بھی اپنی شاعری کا حصہ بنایا اور انفرادی رنگ کے پردے میں اجتماعی تجربات کی ترجمانی کی۔اس طرح سے رمزیت اور ایمائیت کا رنگ ان کی شاعری پر غالب نظر آتا ہے۔

دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر
کچھ تو پیغام زبانی اور ہے
عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک
قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

(جاری ہے)

☆☆☆

مقابلہ شاعری

موضوع آزادی

اول انعام: (ناہید اختر بلوچ)

نظم۔۔۔۔۔۔"آزادی"

جب بھی کوئی نوجوان
جو مغربی لباس پہن کر
پیزا کھاتے ہوئے
اور انگریزی فلم کی
تعریف کرنے کے بعد
اپنے ملک کے لیے یہ کہتا ہے کہ
"پاکستان ایک ناکام ریاست ہے"
تو میں اپنے بزرگوں کی
روحوں سے
بے حد شرمندہ ہوتی ہوں
میری آنکھیں ان خونچکاں
منظروں کو دہرانے لگتی ہیں
جو غلامی سے آزادی
تک کا سفر تھے
لاشوں سے لدی ٹرینیں
تلواروں اور نیزوں پر جھولتے
ماؤں کے لخت جگر
عصمت بچا کر کنوؤں میں
کودتی بیٹیاں
اور سہاگ لٹا کر
آزادی کا پرچم اٹھاتی بیوائیں
کٹے پھٹے اعضاء سے
بھری خون آلود گلیاں
اور توپوں سے باندھ کر
اڑائے جانے والے جواں بیٹے
جن کا ایک ہی جرم تھا
جرم آزادی
ہمارے آباء نے اپنا

خون جگر دے کر ہمیں
آزادی کا تحفہ بخشا تھا
اب ہر یوم آزادی پر
ان کی بیقرار روحیں
ہم سے سوال کرتی ہیں
کہ ہم نے اس آزادی کی
حفاظت کے لیے کیا کیا؟؟؟
وطن کے رستے زخموں پر
پیار اور توجہ کا مرہم رکھا؟؟؟
یا ہم نے بھی تماشہ دیکھا؟؟؟
تو اے میری نئی نسل آؤ
اس سے پہلے کہ تاریخ
ہمیں "احسان فراموش" لکھے
ہم اپنی وطن اور آزادی
کی حفاظت کے لیے
اپنے آباء کی تاریخ دہرائیں

دوم (رضوانہ صدیقی۔ملتان)

میرے وطن کے امین لوگو!

میں جشن آزادی کیوں مناؤں
خوشی کے نغمے میں کیسے گاؤں؟
میرے وطن کی یہ پاک مٹی
خون شہیدوں کا تھا جس میں شامل
اب اس پاک سرزمیں کے اندر
خون ناحق شامل ہو گیا ہے
میرے وطن کے نہ باغ خوش ہیں
ہیں پھول سہمے، ہیں بچے ڈرتے
میرے وطن کی ڈری ہیں مائیں
مدرسے جاتے ہیں بچے ایسے
محاذ جنگ پر چلیں ہو گویا
ہے بم دھماکوں کا شور ہر سو
میرے وطن کے امین لوگو!
وطن سنبھالو
ہمارے اندر ہیں کالی بھیڑیں
انھیں نکالو
ہماری آزادی کو آزاد کر دو
محبتوں سے نفرتوں کو ڈیلیٹ کر دو
وطن کے دشمن ہم وطن کا سر کچل دو
پکڑ کے مار دو
میرے وطن کی مہکتی گلیوں کو
خوف و ہراس کی فضا سے
پاک کر دو
خدارا ہماری آزادی کو آزاد کر دو
ہماری آزادی کو آزاد کر دو

☆☆

موضوع ہمارا شاعری آپ کی

پہلے شمارے میں دیا گیا موضوع شعروسخن "دل" تھا۔جس پر قلمکاروں کی شاعری ملاحظہ فرمائیں۔

عجب پاگل لڑکی تھی

فاطمہ عبدالخالق

ہمیشہ ہنستی رہتی تھی
چھوٹے چھوٹے خواب تھے اس کے
تعبیریں ڈھونڈتی رہتی تھی
اک کچا پکا گھروندا
اک مہرباں آشنا
وہ مٹی کی مادھو
بس دل میں
محبت کی مالا جپتی رہتی تھی
میں حیران ہوتا
ہر ایک چوٹ پہ
جب وہ ہنستی تھی
قصہ کچھ یوں ہوا
دل اسکا ٹوٹ گیا
ہنستا چہرہ روٹھ گیا
زندگی کا ناتا ٹوٹ گیا
دیکھ کر
کفن میں لپٹا چہرہ اسکا
میرا دل مجھ سے ہی روٹھ گیا
میرا دل مجھ سے ہی روٹھ گی

دل کی ویران دنیا میں

سیدہ عروج فاطمہ

اک پل کو ہی ٹھہر جاؤ
بہت دن گزر گئے اب تو
ہم نے ہنس کر نہیں دیکھا
خوشی اب دور رہتی ہے
غموں کا بسیرا ہے
بڑی خاموش رہتی ہوں
جدائی کا غم جاناں
اکیلے ہی سہتی ہوں

میرے دل مضطر

شائلہ یعقوب

تجھے راس عجب رعنائیاں سی
کچھ کج ادائیاں، کچھ بے وفائیاں سی
اک گرہ جو روز کسی خلوص سے کھلتی ہے
لوٹنے والے کسے جانیں
کہ وہ کیسے کھلتی ہے۔
مجھے بھی معتبر سا کرتا ہے
میرے اشکوں کو رستہ دیتا ہے
اے دل مضطر میرے
تیرا صبر، اسکا ہجر
کیسے کہوں۔۔۔۔
میری ذات مکمل کرتا ہے

عشق و وفا کا کوئی مذہب نہیں ہوتا

وجیہہ سحر

مرودے میں کبھی دل دھڑکا نہیں ہوتا
آنکھ کا آنکھ سے تعلق کوئی کیا توڑے
دل سے گزرا نور مجسم نہیں ہوتا
کیوں چاک ہے دامن، قبا ہے پھٹی ہوئی
دعاگو سے رب نے پوچھا نہیں ہوتا
حیثیت کے طوفاں میں بچھڑ گئے کتنے اہلِ وفا
ٹوٹی کشتیوں کا کوئی کنارہ نہیں ہوتا
جذبوں کی حدت سے چراغ بن کر جلے
پتھر کا صنم محجوب نہیں ہوتا

دستک کی امید نا رکھ

پیابٹ

خالی، بنجر، ٹکڑے ٹکڑے
اے دل اب بھی تو زندہ ہے؟
رات کو چاند کے ساتھ نا جل
سوچیں، اور ہم، بکھرے بکھرے
اے دل اب بھی تو زندہ ہے؟
بِن رتوں کہ خواب نا دیکھ
زخم ہیں تازہ ، بوجھل بوجھل
اے دل اب بھی تو زندہ ہے؟
نام نہ لے، انجام کو دیکھ
تنہا رہتا، ہر پل ہر پل
اے دل اب بھی تو زندہ ہے؟

میرے دل کا قرار ہو تم

ریما نور رضوان۔

میری زیست کا عنوان ہو تم
تم سے ہی یہ جہاں اور یہ خوشیاں
میری چاہتوں کا محور ہو تم
رب جانتا ہے دل بے قرار کی حالت
رتجگوں میں مانگا ہے تجھے
اس زندگی کی بہار ہو تم
شوخی و شرارت میں ہو تم
عنوان ہزاروں ہیں
کتابوں میں نصابوں میں
تم ہی سے وابستہ عنوان
خاص لگتا ہے تم سے ہی
مہکتے ہیں میری صبح و شام
تم سے ہی حسین ہیں
یہ دن اور یہ رات
تم ہی نے کرایا مجھے یہ احساس
تم ہی ہو میرے دل کا قرار!!۔

دل میں کچھ اسطرح جلتے

رضوانہ صدیقی۔ملتان

جیسے گنگناتا ہوا کوئی جھرنا ہو
یا خاموش سی جھیل
یا کسی پیاسے پرندے کی ان دیکھی پکار
کسی شاعر کی ہو غزل، جیسے گائے کوئی پیاری آواز
گاؤں کے پیڑ کے نیچے بیٹھی ہوئی
کسی گڈریے والی کی درد بھری تان
یا رات کی خاموشی میں گائے کوئی ہیر
جمنا کنارے مرلی بجائے رادھا کے لیے شام
جیسے بجنے لگیں اک ساتھ کسی مندر کے سنکھ
اور پھر اک ساتھ بجیں گھنٹیاں اسی دم
دل میں کچھ اسطرح جلتے ہیں یادوں کے چراغ
اور ایک بھولی سی دوشیزہ جلائے اپنی منت کے چراغ
اور بنگالی مچھیرے کا ہو میٹھا گیت
بیلا کی کلیوں کی مہک ہو یا گل یاسمین کی بیل
کسی اپنے کی جدائی میں روتی ہوئی آنکھ
یا کوئی چھین لے اپنا بخشا ہوا اختیار
دل میں کچھ اس طرح جلتے ہیں یادوں کے چراغ

دل کے ویران آشیانے میں

فیض محمد شیخ

ایک دنیا مچل رہی تھی ابھی
ایک خواہش سی پل رہی تھی ابھی
جانے کس کا خیال آ گیا تھا
دل کی دھڑکن میں تیزی آئی تھی
خواب آنکھوں میں جگمگانے لگے
اشک پلکوں پہ ٹمٹمانے لگے
برش ہاتھوں میں لے لیا میں نے
کینوس پر ستارے گرنے لگے
رنگ تو قزح کے بھرنے لگے
ایک چہرہ حسیں ابھرنے لگا
دل کا آشیاں بکھرنے لگا
اور ایسے میں چھا گئے بادل
کینوس بھیگنے لگا سارا
آشیانہ بکھر گیا سارا

دل اب کے دھڑکنوں کی سن ہی لے

قرۃ العین تاج۔۔۔

سوز سے اپنے سہانے گیت بن ہی لے
سرگم ذات جوان سی کر رکھی ہے
اس کی تان کو ہم نوا چن ہی لے
چل پھر اک بار چلتے ہیں وہاں
کوئی سنگ تراش نگار جہاں
تیرے سُر سے لے جب بھی ملائی میں نے
خود میں سمایا پایا سارا جہاں
اور بھی تو تجھ سے کچھ مجھ کو کہنا ہے
تیرا نغمہ تیرا ہم دم ہو کے رہنا ہے
تیری دھن کی گونج کا پیچھا کرتے ہو
خود سے بچھڑی خودی کو پا کے رہنا ہے

اب بہت دیر ہو چکی ہے

افشاں شاہد

میرے ہمدم
خواب سارے بکھر چکے ہیں
موسم وصل کے ہجر میں بدل چکے ہیں
جو لمحے قبولیت کے تھے
وہ سب پل گزر چکے ہیں
اس لیے اب ممکن ہی نہیں جاناں
کہ ہم ایک ہو سکیں
دل ہمارے ساتھ دھڑک سکیں
کہ تم ہی تو یہ جدائی چاہتے تھے
تمہارا ہی تو نظریہ تھا
کہ دوریاں محبت بڑھاتی ہیں
اب روز بروز محبت بڑھے گی
لیکن
اس محبت کا نصیب جدائی ہوگا

دل کے اک کونے میں

نرمین سرمیو۔۔۔

احساس تک ہونے میں
دیر لگی تھی مجھے
خود کو یہاں کھونے میں
دل میں جس کا جام ہے
وہی یہاں جو زد عام ہے
من جلائے تزول دل ہوئی

محبت جس کا نام ہے
دل جس کا الہام ہے
جان کا وہ کہرام ہے
محبت جس کا پیام ہے
دلوں کا اپنے بام ہے
یہی محبت کا اقرار ہے
مجھے تم سے پیار ہے
دل میں جو اسرار ہے
اس کا نام فقط پیار ہے

میرے دل کے باغ میں وہ ٹھہرا تھا

سید عبادت کاظمی

ہر طرف اسکی ہی یادوں کا پہرہ تھا
اس نے دل کو سمجھ کر اک کھلونا
کہیں سے توڑا، کہیں پہ جوڑا
باغ دل کے نازک پھولوں کو
پیروں تلے روند کر بولا
پھر کروں مجھ سے محبت
ارے ناداں!
محبت نہیں ہے آساں
محبت مار دیتی ہے
یہ سب کچھ ہار دیتی ہے
ہاں دکھ بے شمار دیتی ہے،

ہم کیوں ہیں الگ

علی رضا

ہم کیوں ہیں جدا
دل بھی بات تو مانتا ہی نہیں
چھوڑ دے اسی
بے وفا پیار کو
دل بھی بات تو مانتا ہی نہیں
دل سے اپنے کہا ہے بہت
وہ نہیں ہے ترا
دل بھی بات تو مانتا ہی نہیں
آرزو تھی تری
چھوڑ دے اب اسے
دل بھی بات تو مانتا ہی نہیں
وہ وہم تھا ترا
وہ وہم تھا ترا
دل بھی بات تو مانتا ہی نہیں
☆

تنہائی کا عذاب سہتے

ارم فاطمہ۔

یہ زندگی یوں گزاری جیسے
کسی کو اپنی نہ چاہ کوئی
کسی کے دل میں یوں گھر کرتے
اس دل سے گزرتی نہ راہ کوئی
نہ جانے اپنا نصیب کیسا
کروں نہ رب سے کیوں شکوہ کوئی
مگر!
یہ اکثر میں نے سنا ہے
وہی تو اس کے ہیں خاص بندے
نہ ہو جن کے صبر کی انتہا کوئی
بہت کٹھن ہے دل کو منانا
شکر گزاری کی راہ پہ لانا
مگر یہ کہنا عبث نہیں ہے
کہ اس کو صابر عزیز تر ہیں
یہ ہم خاکی انساں کیا سمجھیں
نہ جانیں حد اس جزا کی کوئی
☆

میرے دل کا قرار ہو تم

نایاب علی۔۔۔

من کو جو پیار سے بھر دے،
ہر سو گل محبتوں کے کھلا دے
مہکا دے جو دل کی بنجر زمین کو
بارش کی وہ پہلی پھوار ہو تم.
میرے دل کا قرار ہو تم
سن کر جسے مجھے ملتا ہے سرور.
روح تک ہو جاتی ہے مسرور.
میرے من کو جو ہر دم بھاتی رہے
میری پائل کی وہ چھنکار ہو تم.
میرے دل کا قرار ہو تم
احساس جسکا مجھ مہکا دے.
تتلیوں کے کھنور کو جو بھکا دے
ہر پل سانسوں کے سنگ جو چلے
پھولوں کی وہ مہکار ہو تم.
میرے دل کا قرار ہو تم.

دل کو روگ جو لگ جاتے ہیں

صبا جرال۔۔۔بحرین

پھر وہ دل سے کب جاتے ہیں
آنکھ بھی صحرا ہو جاتی ہے
زیست جانے کہاں کھو جاتی ہے
صبح اور شام کے سارے لمحے
تپتی دوپہر سے ہو جاتے ہیں
بہاروں میں خزاں کی رت ہو
پھول انگارے بن جاتے ہیں
دل کو روگ جب لگ جاتے ہیں
سکھ اور چین پھر کب آتے ہیں

ذاتی تخلیق

باوفا ہونا کہاں مشکل تھا ہمیں
ناممکن ہوا فقط یقیں دلانا

قرۃ العین تاج

کوئی آہٹ سی ہے، کھٹکا کوئی ہے!!

محمد علی عامر: جدہ، سعودی عرب

مجھے لگتا ہے کہ آیا کوئی ہے!!
وہ میرا آئینہ خانہ ہے شاید!!
یا میرے روبرو مجھ سا کوئی ہے؟؟
اسے کہہ دو کہ لا حاصل ہے رونا!!
گیا، پھر لوٹ کر آیا کوئی ہے؟؟
کوئی سرگوشیاں کرتا ہو جیسے!!
مجھے دیکھو!! بھلا مجھ سا کوئی ہے؟؟
میں تنہا ہو گیا ہوں دوستوں میں!!
کہ دل میں انجمن آرا کوئی ہے!!

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



یونہی دشت میں اکثر، بے ارادہ!!
میں خود سے پوچھتا ہوں، کیا کوئی ہے؟؟
کسی بے جسم کا سایہ ہے کوئی!!
اور اس سائے کا ہم سایہ کوئی ہے؟؟

میری تنہائیوں کے ساتھی تم مجھے چھوڑ کر کیوں گئے

فاطمہ عبدالخالق

جلا کر چراغ دل کے تم مجھے چھوڑ کر کیوں گئے
اپنے دل سے تیری محبت کے نقش مٹاؤں میں کیسے
اے بے وفا، وفا سکھا کر تم مجھے چھوڑ کیوں گئے
میری نیندیں کھو گئیں، میرے خواب چکنا چور ہوئے
پلکوں پہ سجا کر نیا جہاں تم مجھے چھوڑ کر کیوں گئے
سمندر کنارے مل کر بنایا تھا ہم نے جو گھروندہ
ریت اڑا کر دل دکھا کر تم مجھے چھوڑ کیوں گئے
میری ہر بات میں ہر یاد میں تم ہی تم ہو فاطمہ
میرے ذکر میں آ کر تم مجھے چھوڑ کر کیوں گئے

☆☆☆

دل کی ویرانی کا

شاعرہ: رابعہ عمران

اب ملال کیا کرنا
دل کو کتنا روکا تھا
دل کو کتنا ٹوکا تھا
راہ، رسم بڑھانے سے
یہ مگر نہ مانا تھا
اس نے کب یہ جانا تھا
کیسی زندگی ہو گی
منزلیں کھو جائیں گی
دشوار راہ بھی ہو گی
عمر بھر مسافت کی
گرد سے اٹی ہو گی
دل کو کتنا ٹوکا تھا
ہم نے کتنا روکا تھا
اعتبار نہ کرنا
دل کی ویرانی کا
اب ملال کیا کرنا

اٹھے زمین سے قدم جو ہلال تک پہنچے

از قلم: عطار انصور عطار

میری دعا ہے تو اوج کمال تک پہنچے
فلک کی اوج سے اونچا مقام ہو تیرا
تیرا عروج کبھی نہ زوال تک پہنچے
تیرے لبوں کا تبسم سدا رہے قائم
تیری حیات نہ رنج و ملال تک پہنچے
تیرا یہ پھول سا چہرا کبھی نہ مرجھائے
نہ کوئی شکن تیرے شوخ گال تک پہنچے
میری غزل کا نیا روپ سامنے آئے
کہ میری سوچ جو تیرے خیال تک پہنچے
دعا ہے میری کہ اے ہم نشین تو بھی کبھی
عطا کی آنکھ میں گھرے سوال تک پہنچے

نظم:

(از قلم حافظ محمد ذیشان زاہد)

اے اہل ستم یاد رہے جا کے جو شریف انسانوں سے
بکھر و گے ابھی تنکوں کی طرح ٹکرائے ہو اب طوفانوں سے
آغاز کیا ہے جنگ کا تو انجام نگاہوں میں رکھنا
اور یہ بھی تمہیں احساس رہے اب چھیڑ ہے کن دیوانوں سے
ہر طرز ستم ایجاد کیا ہر ظلم کی حد کو پار کیا
اب رد عمل بھی دیکھو گے جاؤ گے کہاں میدانوں سے
ہر دولت ثروت دیکھ چکے عشرت کی بہاریں لوٹ چکے
اب غم کی شامیں آئیں گی لوٹو گے عجب بحرانوں سے
جو تم سے ہوا تم کر بیٹھے اور اپنی باری کھیل چکے
اب بچ کے کہاں تم جاؤ گے تو حید کے ان پروانوں سے
تائید خدا حاصل ہے ہمیں ابلیس کے تم سے وعدے ہیں
تسمعہ ہے ہماری کعبہ سے الفت ہے تمہیں بت خانوں سے
جو چاہا تم نے چال چلی جو چاہا تم نے جبر کیا
اے باطل ہم کو خوف نہیں اب سازش کے ایوانوں سے

☆☆☆

"متوجہ ہوں"

"قلم کی روشنی" گروپ میں مقابلہ طرحی مصرع رکھا گیا تھا جس کا عنوان "تجھے عشق ہو خدا کرے" ہماری پیاری ممبر محترمہ رضوانہ صدیقی صاحبہ کے قلم سے نکلی خوبصورت نظم غلطی سے ان کے نام کے فاطمہ حسینی کے نام سے رسالے کے پہلے شمارے میں چھپ گئی۔ ہم اس خطا کے لیے محترمہ سے معذرت خواہ ہیں اور دوبارہ ان کے نام سے نظم شائع کر رہے ہیں۔

رضوانہ صدیقی

تجھے عشق ہو خدا کرے
تو میری طرح سے جلا کرے
میرے دل کی دھڑکنوں کی صدا
نہ سنی گئی نہ رکی کبھی
میرے بند ہونٹوں نے تیرا نام لیا بار بار
تو پلٹ کر کبھی رکا نہیں
میرے دل نے کی یہی بددعا
تجھے عشق ہو خدا کرے
تو میری طرح سے جلا کرے
وہ پورے چاند کی چاندنی
وہ نئی رتوں کی نئی امنگ
وہ بہار رت وہ سنگھار رت
میں نے تیرے بغیر گزار دی
میرے آنسوؤں نے دعا یہ کی
تو میری طرح سے جلا کرے

☆☆☆

آئندہ شمارے کے لئے موضوع "" ہے۔

"قلم کی روشنی"

آپ بھی شاعری میں دلچسپی رکھتے ہیں تو اس سلسلے سے جڑ کر قلم کی روشنی میں موجود شعراء کی لڑی میں شامل ہو جائیں۔ اپنے اشعار، نظم، غزل

qalamkiroshni@gmail.com

پر ہمیں ای میل کریں یا دفتر قلم کی روشنی پی او بکس نمبر ا خانپور ضلع رحیم یار خان پر ارسال کریں۔ ☆☆☆

اقوال زریں

انچارج
ابیہا غزل

آپ سب قارئین خواتین وحضرات بھی اپنے لکھے اقوال یا منتخب اقوال ہمیں بھیج سکتے ہیں لیکن اگر کہیں سے انتخاب کریں تو اس کا حوالہ ضرور دیں۔ جزاک اللہ

"آپ کے ذاتی اقوال"

انعام اول: ۔۔۔ کشف بلوچ۔

☆ بعض دفعہ ایک "لمحے" کی "خاموشی" انسان کو اتنا نقصان دیتی ہے کہ وہ ساری عمر بھی اسکا ازالہ نہیں کرسکتا۔

☆ اصل "فاتح" وہی ہے جو اپنی خوشیوں کو ہار کر اپنے "پیاروں" کو جیت لے۔

☆ خواہشوں کے جنگل میں اتنا دور مت جاؤ کہ واپسی کا سفر مشکل ہی نہیں ناممکن ہوجائے۔

☆ آپکے قلم سے نکلے لفظ آپ کی شخصیت کے "آئینہ دار" ہوتے ہیں۔

☆ بعض اوقات انسان کو برے حالات اتنا نہیں رلاتے جتنا کہ "برے رویے"۔ ☆☆

انعام دوم: صائمہ شعیب۔لاہور

☆ اونچائی پر پہنچ کر اپنوں کو یاد رکھو یہ نہ ہو کہ جب تم کو ان کی ضرورت ہو وہ تمھیں بھول چکے ہوں۔

☆ انسان صرف اپنی اولاد کو پیار کی نظر سے دیکھتا ہے دوسرے کی اولاد کو حقیر نظر سے۔

☆ دوسروں کے غم بانٹنے سے اپنا غم کم ہوتا ہے۔

☆ کسی کی غیبت کرنے سے پہلے یہ سوچ لو اسی وقت کہیں پر کوئی تمہاری بھی غیبت کر رہا ہوگا۔

☆ ماں سے کبھی بدتمیزی نہ کرو، ماں تو معاف کر دیتی ہے پر ضمیر کبھی معاف نہیں کرتا۔ ☆☆

انعام سوم: ۔۔دعا نور۔

☆ دو طرح سے چیزیں دیکھنے میں چھوٹی نظر آتی ہیں ایک دور سے دوسرا غرور سے۔

☆ کسی کو اس کی ذات اور لباس کی وجہ سے حقیر نہ سمجھنا کیوں کہ تم کو دینے والا اور اس کو دینے والا ایک ہی ہے اللہ اور وہ یہ اسے عطا اور آپ سے لے بھی سکتا ہے۔

☆ اس شخص کو کبھی موت نہیں آتی جو علم کو زندگی بخشتا ہے۔

☆ اگر کوئی تم کو اپنی ضرورت کے وقت یاد کرتا ہے تو پریشان مت ہونا بلکہ فخر محسوس کرنا کہ اس کو اندھیروں میں روشنی کی ضرورت ہے اور وہ تم ہو۔

☆ دوست کو دوست کی نگاہ سے مت دیکھو وفا کرنے والے دوست اکثر غریب ہوتے ہیں۔ ☆☆

ایونٹ "جشن آزادی" میں مقابلہ "ذاتی اقوال" میں پہلے تین انعام حاصل کرنے والے درجے

انعام اول: زرش نور

۱۔ جنون وعشق کے بنا طے نہ پائے والا سفر "آزادی" ہے۔

۲۔ اپنی آنکھوں کو بدیسی سنگ مرمر سے خیرہ کرنے کی بجائے اپنی آزاد مٹی میں نظر آنے والے "کیڑے" صاف کرنا بہتر ہے۔

۳۔ آزاد ملک میں پیدا ہوئے ہو خود کو اس کے لائق بناؤ ورنہ نعمتیں تو ناشکروں سے ہی چھنی جاتی ہیں۔

۴۔ آزاد قوم اپنے ذہن غلام نہیں رکھتی۔

۵۔ آزاد فضاؤں سے منہ موڑنے والو! ستو خیرات کا کھانا چاہے کتنا ہی لذیذ کیوں نہ ہو خیراتی کا سر سدا جھکا ہی رہتا ہے۔

☆☆

انعام دوم: ۔۔ازقلم : آہلہ نور

۱۔ آزادی کی قدر کوئی قفس میں قید قفس سے پوچھے۔

۲۔ زندگی کی بڑی خوشی اپنے ماتحتوں کو آزادی رائے دینے میں ہے۔

۳۔ آزاد سوچ، آزاد معاشرے کی بنیاد ہے اور یہی اصل جمہوریت ہے۔

۴۔ آزادی کو مثبت سمت میں لے کر چلنے والے ہی کامیاب ہوتے ہیں۔ حقیقی روآزادی نہیں غلامت بن جاتی ہے۔

۵۔ آزاد قوم ہمیشہ فخر سے جیتی ہے۔

☆☆

انعام سوم: ازقلم: عائشہ تنویر

۱۔ آزادی ذہن و دل کی پاکیزگی کا نام ہے۔

۲۔ آزادی کا سرچشمہ ہمیشہ قربانی کی سرزمین سے پھوٹتا ہے۔

۳۔ آزادی وہ شجر ہے جسکی آبیاری قوموں کے خون سے کی جاتی ہے۔

۴۔ آزادی کی راہ میں جان قربان کرنے والے تاریخ میں نہیں بلکہ اپنی قوم کے دلوں میں بھی امر ہوجاتے ہیں۔

۵۔ آزادی وہ دوا ہے جو مردہ احساسات میں بھی جان ڈال دیتی ہے۔

☆☆فرح بھٹو۔

☆ آنکھیں اگر بے باک ہوجائیں تو انسان کو بے حیا ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

☆ عورت ایک ہیرے کی طرح ہے جو اپنے محرم کی قربت میں چمکتا دمکتا ہے لیکن نامحرم کے نزدیک جا کر بے مول پتھر بن جاتا ہے۔

☆ میں نے ماں کی محبت سے بڑھ کر کسی محبت میں اخلاص کی سچائی نہیں دیکھی۔

☆ پچھتاوا ایک ایسا کنواں ہے جو انسان کو ناشکری کی پستیوں میں گراتا چلا جاتا ہے۔

☆ زندگی ایک سانس سے اگلی سانس کی مہلت کا نام ہے۔ ☆☆

حافظ محمد ذیشان زاھد۔

☆ گندگی تو لوگوں کی نظروں میں ہوتی ہے ورنہ کوڑا کرکٹ اٹھانے والوں کو بھی اس میں روٹی نظر آتی ہے

☆ جب تمھیں خوشیاں ملنے لگیں تو تین چیزوں کو کبھی مت بھولنا۔

۱۔ اللہ کو ۲۔ اس کی مخلوق کو ۳۔ اپنی اوقات کو

☆ انسانیت بہت بڑا خزانہ ہے اُسے لباس میں نہیں انسان میں تلاش کریں۔

دستکاریاں

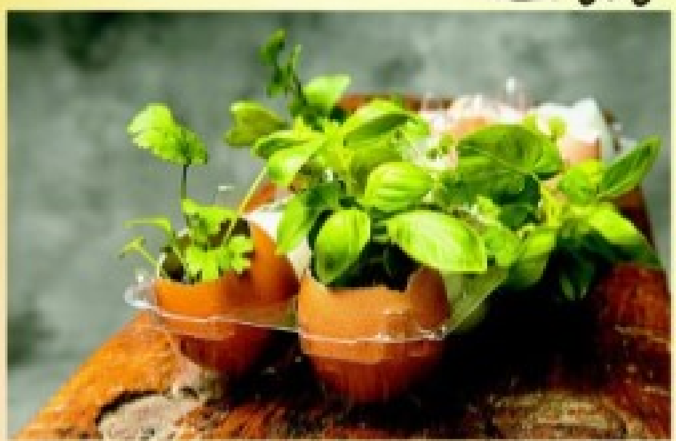
انچارج
عظمیٰ فردوس
جدہ، سعودی عرب

اگر ایک دستکار سے پوچھا جائے کہ آپ اپنے ہنر سے گھنٹوں نہیں بلکہ کبھی کبھی تو دنوں، مہینوں اور سالوں کی قید کی بندشوں سے آزاد ہو کر اپنے ہاتھوں سے دستکاریاں تیار کرتے ہیں۔۔ کیا آپ تھک نہیں جاتے ،اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے۔۔۔؟؟ تو اس کا جواب یہی ملے گا۔ ''نہیں۔۔!!! یہ ہنر میرا ذریعہ معاش ہے، اور مدتوں سے دن رات کا خاموش ساتھ ہے۔۔ اس نے میرے احساسات کو میری انگلیوں کی پوروں سے محسوس کیا اور کسی وفادار ساتھی کی طرح ساتھ نبھا کر میری صلاحیتوں کو اپنی وفاؤں سے نکھارا ہے۔۔ اور ہم دونوں کی خاموش ہم کلامی نے ہمیشہ ایک خام شے کو شاہکار بنایا ہے۔۔۔ جسے دیکھ کر ایسی روحانی خوشی ملتی ہے جو لاکھوں روپے خرچ کرنے کے بعد بھی حاصل نہ ہو۔۔''

آیئے دیکھتے ہیں کہ آج کی دستکاریوں میں ہم آپ کو کیا نیا بتانے جا رہیں۔۔۔ تو آیئے پھر ہمارے سنگ۔۔۔۔، نہ نہ۔۔!! کوئی سوال نہیں۔۔ بس ساتھ چلیں۔۔ وہ آپ بڑے ہال کے ساتھ دائیں ہاتھ تیسرا دروازہ دیکھ رہے ہیں نا، وہیں تک جانا ہے۔۔ اسے گھر کے افراد ''باورچی خانہ'' کہتے ہیں۔۔ ارے۔۔!!! آپ سب حیرانگی سے نہ دیکھیں۔۔۔ آپ نے صحیح سنا ہے،۔۔ تو ہم باورچی خانے کو سجانے کے لئے تھوڑی معلومات آپ کے ساتھ بانٹیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ سب ضرور باورچی خانے کی پرانی یا ناکارہ پھینک دیئے جانے والی چیزوں کو دوبارہ استعمال میں لاکر باورچی خانے کو مزید جاذب نظر بنائیں گے اور دن بھر باورچی خانے میں کام کرتے ہوئے اپنے آپ کو سراہیں گے اور روحانی خوشی محسوس کریں گے اور اس کے ساتھ ساتھ دوست احباب کو ورطہ حیرت میں ڈال کر تعریفوں کے ٹوکرے وصول کریں گے۔

۱، انڈوں کے چھلکوں کے گملے:

درکار اشیاء: انڈے کے چھلکے۔ مٹی۔ چائے کی استعمال شدہ پتی۔ ہری بوٹیوں کے بیج۔ طشتری یا انڈے کی خالی ٹرے۔



انڈے ہر گھر میں بہت رغبت سے کھائے جاتے ہیں۔ انڈے توڑ کر نکال لیئے جانے کے بعد چھلکے کچرے کے ڈبے کی نذر ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ ان انڈے کے چھلکوں کو پھینکنے کے بجائے اوپری سطح سے چھلکے کو توڑ کر سفیدی اور زردی نکال لیں پھر احتیاط سے دھو کر انڈوں کی ٹرے میں رکھیں اگر ٹرے نہیں ہے تو آپ ایک ناکارہ طشتری لیں، اس پر گوند کی مدد سے چھلکوں کو پیندے پر چپکا دیں۔ اب مٹی اور استعمال شدہ چائے کی پتی کو ملا لیں پھر انڈے کے چھلکے میں بھر دیں۔ اس مٹی میں آپ دھنیا، روزمیری، پودینہ، سونف، ریان، اوریگانو وغیرہ کے بیج اور پودے لگا کر باورچی خانے میں اس جگہ رکھیں جہاں دھوپ اور ہوا آتی ہو۔ خوبصورتی کے ساتھ ان بوٹیوں سے قہوہ بنا کر پیئیں یا کھانے میں استعمال کریں۔

۲، دارچینی سے سجی موم بتیاں:

درکار اشیاء: بڑے سائز کی موم بتی، دارچینی کی لکڑیاں، طشتری، ڈوری



موم بتی کے پیندے کو گرم کر کے طشتری پر چپکا دیں۔ اب کسی بھی گوند کی مدد سے دارچینی کی لکڑیاں ایک ایک کر کے موم بتی کے اطراف میں چپکا دیں، پھر کسی خوبصورت اور فینسی ڈوری کے ساتھ دارچینی کی لکڑیوں کو باندھ دیں۔ اس طشتری کو باورچی خانے کے کس بھی جگہ پر رکھیں بہت خوبصورت لگے گی۔

۳، اناج بھری پرانی بوتلیں:

درکار اشیاء: پرانے شیشے کی بوتل یا جار، کاک، مختلف دالیں، سوکھی لال مرچیں، مکئی کے دانے، کوکنگ آئل، خوبصورت ڈوری، کپڑا

ہمارے باورچی خانے میں اکثر مختلف اشکال کی شیشے کی بوتلیں پائیں جاتی ہیں اور کچھ اتنی خوبصورت ہوتی ہیں کہ کچرے کے ڈبے میں پھینکنے کو جی نہیں چاہتا تو ہم ایک طریقہ بتاتے ہیں جس کی مدد سے آپ کی یہ بوتلیں انتہائی جاذب نظر اور خوبصورتی کی ایک الگ پہچان بن جائیں



گی۔ آپ سب سے پہلے شیشے کی بوتل یا جار کو اچھی طرح دھو کر گرم پانی میں ابال لیں پھر اچھی طرح خشک کر لیں۔ اب آپ اپنے من پسند اناج، دالیں، ثابت سرخ مرچ لیں (یاد رہے جو بھی دالیں یا مسالے لیں وہ خشک ہو) ان سب کو رنگوں کی دلکش ترتیب کے ساتھ بوتل یا جار کو سیدھا، آڑھا اور ترچھا کرتے ہوئے بھر لیں پھر اس میں کوکنگ آئل (جتنا شفاف ہو اتنا اچھا ہے کیونکہ کچھ تیل پیلے رنگ کے ہوتے ہیں وہ استعمال نہ کریں) کناروں تک بھر دیں۔ اگر بوتل کا اپنا ڈھکن ہے تو وہ لگا دیں ورنہ کاک لگا کر بوتل کے منہ کو بند کر دیں اب اگر چاہیں تو ڈھکن پر کوئی بھی کپڑا ڈھکن کے ناپ کا کاٹ کر چڑھا دیں اگر نہ چاہیں تو صرف خوبصورت سی من پسند ڈوری بوتل کی گردن پر لپیٹ کر گرہ لگا دیں۔ آپ کے باورچی خانے کے لئے یہ سجاوٹی بوتلیں مختلف ہونے کے باعث یقیناً بہترین اضافہ ہوں گیں۔

۴، چائے کی پیالیوں اور پرچ سے بنا وال کلاک:

اشیاء درکار: پرانی پیالیاں اور پرچ (مختلف رنگوں اور ڈیزائن کی) ۱۲ عدد، کارڈ بورڈ، من پسند رنگ کی

میری ڈائری سے

انچارج: علینہ ملک

معزز قارئین السلام علیکم! آپ کی ڈائری سے ،سلسلہ پیش خدمت ہے آپ بھی اس سلسلے میں کسی بھی پسندیدہ مصنف کی تحریر سے کوئی اقتباس، پیاری بات، یا انتخاب قلم کی روشنی میگزین کی زینت بنانا چاہیں تو ہمیں ای میل یا پی او بکس پہ ارسال کر سکتے ہیں

ڈائری لکھنا (علینہ ملک)

ڈائری لکھنا ایک ایسا عمل ہے جس کو عادت بھی کہا جاسکتا ہے، مشغلہ بھی اور ذوق بھی کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا ۔بہت سے لوگ ڈائری لکھتے ہیں کیونکہ بعض اوقات ہمیں اپنے دل کی بات بتانے کے لئے کوئی ساتھی یا ہمنوا نہیں ملتا یا پھر ہم اپنا دکھ اور سکھ کسی کے سامنے نہیں لا پاتے تو ہم ڈائری لکھتے ہیں ۔ڈائری کا تعلق ہمارے ان احساسات اور لمحات سے ہوتا ہے جو ہمارے لئے انمول اور قیمتی ہوتے ہیں ۔ڈائری انسان کی وہ واحد ساتھی یا یوں کہہ لیں کہ سہارا ہوتی ہے جس سے ہم جو چاہے بلا جھجک کہہ سکتے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ ہر شخص اپنی ایک پرسنل یا ذاتی ڈائری رکھتا ہے جسے وہ لوگوں سے ہمیشہ چھپاتا ہے، یہاں تک کہ اپنے بہت ہی قریبی رشتے یا تعلق کو بھی اپنی پرسنل ڈائری سے دور رکھتا ہے تاکہ کوئی بھی اسکے کمزور لمحات کے جذبات اور احساسات سے واقف نہ ہو جائے ۔ڈائری لکھنے کے دو طریقے یا انداز ہیں ،ایک ڈائری وہ ہے جو کچھ لوگ روزانہ کی بنیاد پر لکھتے ہیں ہر دن کے اختتام پر اپنے سارے دن کی روداد اس دن کی تاریخ کے ساتھ قلم بند کرتے ہیں ۔اور ایک وہ لوگ ہیں جو روزانہ ڈائری نہیں لکھتے بلکہ کسی خاص اچھے برے لمحے کو ڈائری کا حصہ بناتے ہیں ۔یا پھر اپنی کسی تخلیق کو اچانک ذہن میں آنے والے خیال کو یا پھر کچھ لوگ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں اور خیالات کو بھی اپنی ڈائری میں لکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔

آج کے دور میں ڈائری لکھنا ناپید ہو گیا ہے بہت کم ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو حقیقت میں ڈائری لکھتے ہوں ورنہ بس اب تو کمپیوٹر اور موبائل کا دور ہے اور لوگ اپنا سارا سارا وقت اسی پر فضول میں بھی ضائع کرتے رہتے ہیں ۔آج کے دور میں فیس بک کو بھی ایک قسم کی ڈائری کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا ،مگر یہ وہ ڈائری ہے جسے ہم کسی سے چھپا نہیں سکتے ہم اپنے جذبات، احساسات اور جو خوشی، غم اس میں شیئر کرتے ہیں اسے سب پڑھ سکتے ہیں ۔جب کہ پہلے جو ڈائری ہم لکھا کرتے تھے وہ صرف ہماری اپنی ذات تک محدود ہوتی تھی ۔بلاشبہ ڈائری لکھنا ایک صحت مند سرگرمی ہے جس کی بدولت آپ میں ادبی ذوق بھی پروان چڑھتا ہے اور ساتھ ساتھ آپ اپنی ذات سے بھی واقف ہوتے ہیں ۔جو لوگ ڈائری لکھنے کے عادی ہوتے ہیں ان میں لکھنے اور اچھے معیاری ادب کو پڑھنے کا رجحان بڑھتا ہے ۔اگر آپ بھی اچھی ڈائری لکھنے کا ذوق رکھتے ہیں تو اپنی ڈائری کے صفحات کو ہمارے سلسلے کی زینت بنائیں۔

☆۔۔۔یادداشتیں

سعدیہ عابد۔۔۔کراچی

بھاگتی دوڑتی زندگی لگتا ہے بس ایک ہی پوائنٹ پر آ کر رک گئی ہے وقت تھم سا گیا ہے بڑھتی دھوپ کے سائے میں چھاؤں گھٹ رہی ہے ۔بیماری آتی گھوڑے کی رفتار سے ہے اور جاتی چیونٹی کی رفتار سے ہے ،بی پی ڈاؤن ۔۔۔نبض ڈوب چلی ۔۔۔ڈرپ لگی تو قطرہ قطرہ زندگی وجود میں اترنے لگی ۔۔۔امی کا پریشان چہرہ ۔۔۔بھائی کی متفکر نظر ۔۔۔اور ہماری بھٹکتی سوچ پرواز کرنے لگی کہ زندگی کا کتنا سفر رہ گیا ہے ،دھوپ ہمارے حصہ کی کتنی باقی ہے ۔۔۔چھاؤں تو جیسے آئی نہیں ڈوبتی نبض ۔۔۔جلتی سوچیں ۔۔۔کھڑکی سے چھن چھن کر آتی دھوپ ہم پر سایہ کیے دھوپ بڑھ رہی تھی کہ متفکر سی آواز آئی ،پردہ برابر کرو سعدی کے ہاتھ پر دھوپ پڑ رہی ہے ۔۔۔امی کی آواز ،بھائی کا عمل ،یکدم چھاؤں میں آ گئی منفی سوچ کی طنابیں بکھر گئیں ،مثبت سوچ کا حملہ ۔۔۔یہ ہے ہمارے نصیب کی چھاؤں جو پیدائش سے ہمارے ساتھ ہے، بس ہم ہی ناشکری کر جاتے ہیں ،نیم غنودہ آنکھوں سے امی اور بھائی کو دیکھا اور مسکرا کر آنکھیں بند کر لیں کہ اب کسی دھوپ کی فکر نہیں کہ فکر کرنے والے جو ہیں ۔۔۔زندگی پھر چل پڑی ہے کہ اپنوں کے ساتھ کی چھاؤں زندگی کو رکنے نہیں دیتی ۔

سچی محبت

افشاں شاہد۔۔۔کراچی

کبھی کبھی میں سوچتی ہوں جتنا ہم کسی انسان کی محبت میں پاگل ہو جاتے ہیں ۔اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس کے نام کر دیتے ہیں ،وہ ہنستے تو ہمارے لبوں پر مسکان آتی ہے وہ رنجور ہو تو ہماری آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں اس کی ہاں میں ہاں ملانا ہم اپنا اولین فرض سمجھتے ہیں اور جو کبھی وہ روٹھ جائے تو ہمیں لگتا ہے ہماری زندگی میں کچھ بچا ہی نہیں ہے لیکن ایسی پاگلوں اور دیوانوں جیسی محبت کرکے ہم بدلے میں کیا پاتے ہیں ۔سامنے والے کا موڈ اچھا ہو تو وہ ہماری تعریف میں زمین و آسمان ایک کر دیتے ہیں اور جو تھوڑا سی ٹینشن ہو یا کوئی پریشانی تو وہ ہماری ذات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی جاتی ہیں ،ایسی محبت کا پھر کیا فائدہ جو ہمارے موڈ اور خوشحالی کی محتاج ہو تو پھر کیوں نہ اس سے محبت کی جائے جو کبھی ہم سے روٹھتا نہیں ہے جو ہمیشہ ہر وقت ہم پر مہربان رہتا ہے جس کے پاس ہم چل کر جاتے ہیں تو وہ دوڑ کر ہماری طرف آتا ہے ۔جو ہمیشہ ہم پر انواع و اکرام کی بارش کرتا رہتا ہے ۔جو ہمیں بار بار اپنے پاس بلاتا ہے ۔جس سے زیادہ ہمیں کوئی پیار ہی نہیں کرتا تو پھر کیوں ہم اس کو چھوڑ کر مٹی کے بنے انسانوں کے پیچھے بھاگتے ہیں اور اپنی ذات کو بے مول کرتے ہیں۔

☆ضمیر کی آواز

ثناء واجد۔۔۔فیصل آباد

نوید اپنی غربت سے تنگ آ کر غلط راستے پر چلنے کا ارادہ کر چکا تھا آخر اس کا بھی تو حق ہے کہ پر آسائش زندگی کا مالک بن کر ایک کامیاب زندگی گزارے لیکن کوشش کے باوجود بھی وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا ۔کیونکہ اس کے ضمیر نے اسے ملامت کی تھی کہ بھلا اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے وہ کیسے خود غرض بن کر دوسروں کو نقصان پہنچا دیتا ۔کیا اس طرح سے اس کا ضمیر مطمئن رہتا ہے ۔دنیا میں تو کامیاب ہو جاتا لیکن

آخرت میں کبھی بھی سرخرو نہیں ہو سکتا تھا۔ کامیاب انسان تو وہ ہے جس کے دل میں سکون ہو اور دل کا سکون اپنی نفسیاتی خواہشات پر قابو پانے اور اللہ کے احکامات کو پورے کرنے سے ہی نصیب ہو سکتا ہے۔ جس کے دل میں اللہ کی یاد موجود ہو جس کے دل میں دکھی انسانیت کی خدمت کا احساس موجود ہو جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے احکامات کو دل سے تسلیم کرے اور یقین رکھے، ایسے انسان کو قرآن پاک میں نفس مطمئن کہہ کر پکارا گیا ہے اور یقیناً ایسے ہی لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: اے نفس مطمئن! چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجام نیک سے) خوش (اور اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے۔ شامل ہو میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔

☆عشق حقیقی

عدیلہ سلیم۔۔۔بوریوالہ

عشق حقیقی کی تلاش نے مجھے کچھ لکھنے اور الجھنے پر مجبور کر دیا ہے۔ جس انسان کا دل عشق حقیقی سے خالی ہو وہ کھوکھلی شے کی مانند ہے۔ عشق حقیقی وہ ہے جس میں ہم نفس اور انا کو ہر ایک کے سامنے پامال کر دیں۔ اور جو ایک انسان تک محدود رہے وہ عشق مجازی ہے۔ سوچا جائے تو عشق حقیقی کے بغیر زندگی ادھوری ہوتی ہے۔ زندگی بے دھنی لگتی ہے۔ سنا ہے کہ عاشق کو معشوق کے لئے سب کچھ چھوڑنا پڑتا ہے۔ اسی طرح عشق حقیقی میں بھی انسان کو گناہ چھوڑنے پڑتے ہیں لہذا عشق حقیقی کے بغیر انسان ادھورا ہے اور اگر حقیقی عشق ہو جائے تو زندگی سنور جاتی ہے۔ بس انسان اللہ کی عبادت میں لگ جائے چاہے وہ حقوق العباد کی صورت میں ہو یا حقوق اللہ کی صورت میں عشق تو دین ہے نصیب کی بات ہے جسے عشق حقیقی نصیب ہو جائے وہ ولی کا درجہ پالیتا ہے۔ کیونکہ عشق تو ہو جاتا ہے کبھی کیا نہیں جاتا۔

☆مسلمان لڑکیاں

کوثر جہاں۔۔۔کراچی

مسلمان لڑکیاں تو بہت مضبوط ہوتی ہیں، ان کے ایمان کی مضبوطی ان کی فطرت ہی نہیں، صفت میں شامل ہوتی ہے۔ وہ کمزور ہوتی ہیں جیسے ساحل کی گیلی ریت ہو، فقط اپنا راستہ سر کرنے کی جستجو میں کتنے ہی پاؤں انہیں دکھاتے، دباتے گزر جاتے ہیں۔ مگر ایمان کی لہریں انہیں پھر سے یکجا کر دیتی ہیں۔ وہ لگتی ہیں خوبصورت جھرنوں بہتی آبشاروں، رنگ نہاتی ندیوں کی طرح جو تہمتوں اور رسوائیوں کے ان گنت پتھروں کے پے در پے وار سہتی ہیں، طوفانوں کا سامنا کرتی ہیں، پھر بھی ایمان کی خوبصورتی اور دلکشی کے ساتھ بہتی جاتی ہیں، یا پھر دکھتی ہیں آسمانوں پر کبھی کہکشاؤں کی صورت۔ دکھوں کی گرد انہیں دھندلاتی نہیں دکھ تو انہیں مزید خوشنما کر دیتے ہیں، غموں کے بوجھ سے جھکتی نہیں، ہارتی نہیں۔ ہر طرح کے میں راضی رہتی ہیں پھر چاہے قسمت میں عروج ہو یا زوال وہ جانتی ہیں اس جہاں کی نہ سہی اس جہاں کی شہزادیاں ہیں، کیونکہ وہ مسلمان لڑکیاں ہیں۔

☆تعلقات

(ثمرین یعقوب۔۔۔خوشاب)

دیکھو مجھے نہیں خبر تعلقات کیا ہیں، ان کا نبھانا کیا ہے؟ موم کی بتیاں جیسے جلتے ہوئے لرزتی ہیں تو اندیشے آن گھیرتے ہیں کہیں ہوا ان کو بجھا نہ ڈالے۔ مجھے بے رحم گزرتے وقت سے بھی خوف دامن گیر رہتا ہے کہیں میری یہ زیست ساماں، اس قوار پر میں محفوظ میری عزیز متاع۔ اپنے رنگ پھیکے نہ کر لے، اپنے تیور کھو نہ دے۔ دوست: وہ میرے یقیں، میرے یقین، کہ میری راہ کے روشن ستارے، جب شام ڈھلے تو جگنو ہیں، جب رات سیاہ آنچل ڈالے تو وہ نخی چاند، رات کی تاریک ساعتوں میں فانوس ہے، جب میں نیند کے ساحلوں سے بیدار ہوں تو خوب چمکتا دن میرا منتظر۔۔۔ میری فہرست میں ایسی ایسی بیش قیمت نوازشات ہیں کہ میں تذکرہ چھیڑوں اور تم؛ مجھ جیسی خوش نصیب پر رشک کا سوچو۔ مگر کہاں۔۔۔ کہاں سوچو گی تم! واللہ؛ تخیل بھی ایک نعمت ہے۔۔۔ سچ، پتہ ہے جب بہار آتی ہے تو چمن کی ڈالیاں یاقوت و زمرد اور زمہ فضا میں قوس و قزح کا سامان کرتی ہیں۔۔۔ میرے واسطے پھول کھلتے ہیں ہر طرف، ہر جا۔۔۔ ایسے دلکش اور رعنائی سے مزین، کہ بے انتہا خوبصورتی نظر میں بھر بھر جائے۔۔۔ سردیوں میں دھوپ اپنی مدھر صدا لئے گھروں کے آنگن اور بالکونیوں میں گنگناتی مسکراتی کس قدر بھلی محسوس ہوتی ہے۔۔۔ مجھے سرما کی بارشوں سے والہانہ لگاؤ محسوس ہوتا ہے اور نم مٹی کی خوشبو تو تن من کی ریت انگیختے لگتی ہے جیسے فطرت کے جمال سے مستعار لی ہوئی، خالص مہک؛ یہ میرے تحفے موتی ہیں، جن کا تذکرہ حسب حال صفحہ قرطاس پر روشنائی بکھیر گیا۔۔۔ میری سب سے قیمتی متاع سے تو ملو، یہ میرے رشتے ہیں۔۔۔ بہت عزیز، اتنے پیارے کہ ان کی ہر بات، تہوار معلوم ہوتی ہے اور ان کو خوشی سے سرشار مسکراتے دیکھ کر میری آنکھوں کی چمک اور دل کا سکون مزید بڑھ جاتا ہے کیونکہ ان کے بغیر میری ذات ادھوری ہے۔۔۔ اور یہ سب، یہ سب میرے خالق نے میری تخلیق کیساتھ میرے نام ودیعت کیا، نوازشات کے بوجھ کے احساس تلے۔۔۔ کرم نوازیاں۔۔۔ اب اس مقام پر قلم عاجز ہے اور سخن بے بس۔۔۔ اے میرے خالق، الرحمٰن الرحیم۔ تیرا شکر کثیر۔۔۔ الحمد للہ۔

☆پھول

(عبدالرؤف عدم۔۔۔راولپنڈی)

ایک شخص اپنی ماں کو پھول بھجوانے کا آرڈر دینے کے لئے پھول والے کے پاس گیا، اس شخص کی ماں اس سے بہت دور رہتی تھی اور وہ اپنی ماں کے پاس بہت کم جاتا تھا۔ بس کبھی کبھار پھول بھجوا دیتا۔ جب وہ شخص اپنی کار سے اترا تو اس نے دیکھا کہ پھول والے کی دکان کے باہر ایک چھوٹی سی لڑکی سسکیاں بھر کے رو رہی ہے، وہ شخص اس لڑکی کے پاس چلا گیا اور اس سے رونے کی وجہ دریافت کی۔ لڑکی بولی: میں اپنی ماں کے لئے سرخ گلاب خریدنا چاہتی ہوں لیکن میرے پاس صرف پانچ روپے ہیں جبکہ گلاب کی قیمت بیس روپے ہے۔ یہ سن کر وہ شخص مسکرایا اور اسے دلاسا دیتے ہوئے کہنے لگا، میرے ساتھ اندر چلو، میں تمہیں گلاب دلا دیتا ہوں۔ اس شخص نے اس بچی کو گلاب خرید کر دیا اور اپنی ماں کے لئے پھولوں کا آرڈر

(بقیہ صفحہ 33 پر ملاحظہ فرمائیں)

ہمارے قومی کھیل

بچوں اور بڑوں کے لیے دلچسپ معلوماتی سلسلہ

کرکٹ

انچارج: مسکان احزم

معزز قارئین! قلم کی روشنی کے نئے شمارے کے ساتھ ہم لے کر آئے ہیں ایک نیا کھیل۔ کھیل نہیں بلکہ قومی کھیل۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ہم آپ کو قومی کھیلوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ بتانے کی کوشش کریں۔

اس لیے اس سلسلے کے لیے ہم نے آپ سب کے پسندیدہ کھیل یعنی کرکٹ کا انتخاب کیا ہے۔

نوٹ۔ کرکٹ کو ایک شمارے میں مکمل کرنا ممکن نہیں ہے۔اس لیے اس کا باقی حصہ ہم آئندہ ماہ ان شاء اللہ آپ کے ساتھ شیئر کریں گے۔سب سے پہلے ہم یہ جانیں گے کہ اتنے دلچسپ کھیل کا آغاز ہوا کہاں سے.

کرکٹ برطانیہ میں ایجاد ہوا. برطانیہ ہی میں اس کھیل کا آغاز ہوا،اور اسی لئے نوآبادیاتی دور میں برطانیہ کے زیر قبضہ تمام علاقوں میں پہنچا۔ اور اب یہ زیادہ تر جگہوں پر بہت زیادہ شہرت حاصل کر چکا ہے. جنوبی ایشیا کے ممالک بھارت، پاکستان، بنگلہ دیش اور سری لنکا میں کرکٹ سب سے پسندیدہ کھیل ہے۔

اس کے علاوہ یہ انگلینڈ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، جنوبی افریقہ، زمبابوے اور جزائر کیریبیئن میں بھی بہت زیادہ مقبولیت رکھتا ہے۔ جزائر کیریبیئن کی مشترکہ ٹیم کو ویسٹ انڈیز کہا جاتا ہے۔ان کے علاوہ یہ کھیل نیدرلینڈز، کینیا، نیپال اور ارجنٹائن میں مقبولیت اختیار کر رہا ہے۔ اسے کھیلنے کے لیے بھی ٹیمز کی ضرورت ہوتی ہے. اور ہر ٹیم میں گیارہ کھلاڑیوں پر مشتمل ہوتی ہے.

اس کھیل کو بلے اور گیند کی مدد سے کھیلا جاتا ہے۔اس کے لیے ایک بیضوی شکل کا میدان ہوتا ہے جس کے درمیان میں کھیل کی ایک پچ ہوتی ہے۔اس میدان کی پچ کے دونوں جانب مناسب لمبائی اور چوڑائی کی تین تین لکڑیاں نصب کی ہوتی ہیں جنھیں ہم وکٹ کہتے ہیں۔

اس کھیل کو ایک خاص انداز میں کھیلا جاتا ہے.اس کے لیے میدان میں موجود ٹیم کا ایک رکن (گیند باز) چمڑے سے بنی ایک گیند کو پچ کی ایک جانب سے ہاتھ گھما کر دوسری ٹیم کے بلے باز رکن کو پھینکتا ہے۔ باؤلر کی کروائی گئی گیند بلے باز تک پہنچنے سے قبل ایک مرتبہ اچھلتی ہے سامنے کا بلے باز اس کا دفاع کرتا ہے تاکہ وہ اپنی قیمتی وکٹ کو بچا سکے۔ باؤلر کی جانب کھڑا دوسرا بلے باز اسے ہم نان اسٹرائیکر کہتے ہیں.

دفاع کے طور پر سامنے کھڑا بلے باز اپنے بلے کے ذریعے گیند سے اپنی وکٹس کو بچانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کوشش کے دوران اپنے دوسرے ساتھی بلے باز کی جانب دوڑتا ہے اس طرح دونوں کو پچ پر ایک دوسرے کی جگہ پہنچنے پر ایک دوڑ ملتی ہے۔وہ گیند بلے پر نہ لگنے کی صورت میں بھی دوڑ بنا سکتا ہے۔ اگر گیند اتنی قوت سے وکٹوں کو ٹکرائے کہ اس پر رکھی گئی گلیاں زمین پر گر جائیں تو سامنے والا کھلاڑی آؤٹ ہو جاتا ہے اور میدان سے چلا جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا کھلاڑی آتا ہے۔اس ٹیم کی باری تب تک رہتی ہے جب تک تمام کھلاڑی آؤٹ نہیں ہو جاتے۔ آؤٹ اور بھی کئی طرح سے کیا جا سکتا ہے مثال کے طور پر بلے باز کے بلے سے گیند لگ کر زمین پر گرنے سے قبل مخالف ٹیم کے رکن کا اسے پکڑ لینا (کیچ)، بلے باز کی ٹانگ پر گیند کا اس وقت لگنا جب وہ وکٹوں کی سیدھ میں ہو (ایل بی ڈبلیو)، دوڑ مکمل کرنے سے قبل حریف ٹیم کا گیند وکٹوں پر مار دینا جسے ہم رن آؤٹ ہونا کہتے ہیں.

باریوں اور گیندوں کی تعداد کھیل کی قسم پر منحصر ہے۔

یہ تو تھا کھلاڑیوں کے کھیلنے کا طریقہ۔اب بات کرتے ہیں کرکٹ کے کھیل کی اقسام کی۔

کرکٹ میں دو اقسام کے کھیل کھیلے جاتے ہیں ایک جسے "ٹیسٹ" کہا جاتا ہے اور دوسرا "ایک روزہ" کھیلنے کا طریقہ ایک ہی ہوتا ہے مگر ٹیسٹ میچ 5 روزہ ہوتا ہے جس میں دونوں ٹیموں نے دو، دو باریاں کھیلنا ہوتی ہیں جبکہ دوسری جانب ایک روزہ میں دونوں ٹیموں کو 300 گیندوں کی ایک باری ملتی ہے اس کھیل کے لیے پہلی ٹیم دوسری ٹیم کو ہدف دیتی ہے اور کھیل جیتنے کے لیے دوسری ٹیم کو ہدف سے زیادہ دوڑیں بنانی ہوتی ہیں.

کھلاڑی اور انتظامیہ!!!

ہر کھیل کی طرح کرکٹ کے لیے بھی افراد کا ہونا ضروری ہے جن میں سے کچھ انتظامیہ کا کام کرتے ہیں اور باقی ٹیمز کا حصہ ہوتے ہیں

ایک ٹیم میں گیارہ کھلاڑی ہوتے ہیں. جن میں بلے باز، گیند باز، آل راؤنڈر، وکٹ کیپر شامل ہوتے ہیں۔ انہی کھلاڑیوں میں سے ایک کھلاڑی ٹیم کی نمائندگی کرتا ہے جسے کپتان کہتے ہیں، جبکہ ٹیم میں شامل باقی سب کھلاڑی اس کے پابند ہوتے ہیں۔ کپتان کھیل میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے. کپتان کی غیر موجودگی میں کپتانی کے فرائض انجام دینے کے لیے ایک نائب کپتان بھی موجود ہوتا ہے. آل راؤنڈر اس کھلاڑی کو کہتے ہیں جو دونوں گیند بازی بھی کر سکتا ہو اور بلے بازی بھی اور دونوں پر خاص اختیار حاصل ہو۔

ان کے علاوہ کھیل کے دوران میدان میں دو امپائر ہوتے ہیں۔ ایک امپائر باؤلر کی جانب کھڑا ہوتا ہے۔ کچھ کے اہم فیصلے جیسے آؤٹ دینا، نو بال یا وائڈ بال دینا، امپائر کے اختیار میں ہوتا ہے۔ دوسرا امپائر بلے باز کے پیچھے وکٹ سے آٹھ، دس فٹ کے فاصلے پر کھڑا ہوتا ہے، جو دوسرے امپائر کو فیصلوں میں مدد دیتا ہے۔

جبکہ تھرڈ امپائر میدان سے باہر ہوتا ہے۔ ضرورت پڑنے پر امپائر تھرڈ امپائر سے مدد مانگ سکتا ہے، تھرڈ امپائر ٹیلی ویژن کی مدد سے امپائر کی مدد کرتا ہے۔ ایک اور امپائر ریفری ہوتا ہے جس کا مقصد میچ کے دوران کھلاڑیوں پر کرکٹ کے قانون لاگو کرنا ہوتا ہے۔

اسکورر دونوں ٹیموں کے اسکورز گننے کا کام کرتا ہے.

پاکستان کرکٹ ٹیم کرکٹ کی دنیا میں پاکستان کی نمائندگی کرتی ہے جس کا انتظامیہ پاکستان کرکٹ بورڈ ہے۔ پاکستان کو بین الاقوامی مقابلوں میں حصہ لینے کی اجازت بین الاقوامی کرکٹ انجمن نے 1952ء میں دی۔ پاکستان نے اپنا پہلا ٹیسٹ میچ 16 اکتوبر 1952ء میں بھارت کے خلاف دہلی میں کھیلا۔ پاکستان کرکٹ ٹیم

بقیہ صفحہ 23 پر ملاحظہ فرمائیں

اُردو ادب اور الجھنیں سلجھنیں

رفعت خان

ہم کوئی بھی کام شروع کرتے ہیں چاہے وہ کاروبار ہو یا سٹری معاملات، لین دین کے مسائل ہوں یا شادی بیاہ کے معاملات، ہمیں اس میں لازمی طور پر مسائل پیش آتے ہیں، بہت ساری الجھنیں ہوتی ہیں جنہیں ہم صاحب الرائے لوگوں کے تعاون و مشورے سے سلجھاتے ہیں، اردو ادب کی خدمت بھی ایک ایسا ہی معاملہ ہے جس میں ہمیں بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے ہم نے آپ قارئین کی آسانی اور آپ کی ادبی حوالے سے پیش آنے والی الجھنوں کو سلجھانے کے لیے یہ سلسلہ شروع کیا جس میں آپ کے ساتھ بھرپور تعاون کیا جائے گا، آپ کی الجھنوں کو سلجھانے کے ساتھ ساتھ اردو ادب کے حوالے سے دوسرے مسائل میں بھی کارِ خیر ہم بخوبی سر انجام دیں گے۔ آپ ادبی حوالے سے کسی بھی مسئلے کا شکار ہیں اور اس کا بہترین حل چاہتے ہیں تو اپنا مسلہ ہم سے بیان کریں، ای میل کریں یا پی او بکس پر خط ارسال کریں اور اگلے شمارے میں اپنے مسلہ کا حل ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

السلام علیکم! معزز قارئین الجھنیں سلجھنیں سلسلہ پسند کرنے کا بہت شکریہ امید کرتے ہیں اپنی آراء کے ساتھ ساتھ اس سلسلے میں حصہ لے کر اردو ادب میں مزید پختگی لاتے رہیں گے گزشتہ پیراگراف میں سے صحیح پیراگراف اور غلطیوں کی نشاندہی کے ساتھ بہت سے ممبران کی طرف سے کوپن موصول ہوئے ماشاءاللہ سبھی نے بہت اچھی کوشش کی پہلا پیراگراف درست تھا۔ بذریعہ قرعہ اندازی جیتنے والے خوش نصیب ہیں

اول: شکیلہ انجم لاہور۔

دوم: مصباح رانی سیالکوٹ۔

سوم: ممتاز علی فیصل آباد

ان سب کو بہت بہت مبارک ہو۔۔!!

یہ سلسلہ نئے لکھنے والوں کے لیے بے حد مفید ہے۔ اس سلسلے کا مقصد نئے لکھنے والوں کی اصلاح کرنا ہے۔ ہمیں اُمید ہے آپ سب،، قلم کی روشنی،، سے پختہ لکھاری بن کر ابھریں گے اِن شاءاللہ۔ اپ لکھنا چاہتے ہیں مگر نہیں لکھ پا رہے، آپکو کسی قسم کی کوئی دشواری پیش آرہی ہے؟ یا لکھنے کے لیے ضروری ہدایات چاہیے؟ یا آپ اردو کے حوالے سے کوئی معلومات لینا چاہتے ہیں؟ ۔یا اپنی تحاریر کی نوک پلک سنوارنا چاہتے ہیں ۔تو بلا جھجک ہمیں خط لکھ سکتے ہیں ای میل کر سکتے ہیں یا ہمارے پیج قلم کی روشنی میں پیغام بھیج سکتے ہیں آپ اس سلسلے سے بھرپور فائدہ اُٹھا سکتے ہیں ۔ہم فی سبیل للہ ہر ممکن آپ کا ساتھ دیں گے ہمارا مقصد اردو ادب کو فروغ دینا اور نئے لکھاریوں کو آگے بڑھانا ہے ۔اس سلسلہ میں آپ کے لیے ایک ہی تحریر دو بار پیش کی جائے گی جس میں املا کا فرق رکھا جائے آپ غلط املا کی نشاندہی کرتے ہوئے الفاظ معنی مشکل و آسان اردو اور اپنے جملوں (توضیحات) میں پختگی لائیں گے یہ ایک بہت دلچسپ اور منفرد سلسلہ ہے اس سلسلے کی بدولت آپ بہت جلد اردو اور اردو ادب کے بہت قریب ہو سکیں گے ۔ پیراگراف کا مطالعہ کریں اردو ادب کے حوالے سے آپ کو بہت سی معلومات بھی حاصل ہو سکیں گی ان شاءاللہ

اردو میں مکتوب نگاری
اول پیراگراف

اگلا پیراگراف لیکر حاضر خدمت ہیں ۔ ہمیں اُمید ہے آپ اس سلسلے سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں گے۔

مزاح کے رنگ قلم کے سنگ
عورتوں کے برینڈڈ سوٹس کی کاپی

انچارج: حرا طاہر

مزاح نگار: رخ یعقوب

اک دیسی مٹیارن پنجاب دی
مر گئی اک برینڈڈ سوٹ اُتّے!

آج کل برینڈڈ سوٹس کچھ اس طرح ماحول پر چھا کر ہر زبان زدِ عام پر ہیں کہ افطاری میں پکوڑے کی جھلک ملے نہ ملے برینڈڈ سوٹس کی جھلک ضرور ملنی چاہئے ۔ رمضان کے اس بابرکت مہینے میں جہاں بچت بازار کی شکل میں عوام کو موقع کا فائدہ اُٹھا کر کرارا چوکا رسید کرنے کا ہنر سیکھنے کا موقع فراہم کیا جا رہا ہے وہیں عورتوں کو اپنے ان ارمانوں کو بھرپور انداز میں پورا کرنے کا چانس بھی دیا جا رہا ہے ۔ رنگا رنگ دکانوں پر نیم جھکے کے سے انداز میں آویزاں پتلوں پر سجی برینڈڈ سوٹ پہلے تو دعوتِ عام دے کر اپنے پاس بلاتے ہیں مگر جونہی پتلے کے پہلو میں چھپے پرائز ٹیگ پر نظر پڑتی ہے یوں لگتا ہے جیسے سر پر شاہ کر کے مرحوم سلطان راہی کا ڈنڈا جا لگا ہو ۔لیکن اب بھلا ہو انگریزوں کے ان جانشینوں کا جو جاتے جاتے replica نامی لفظ سکھا گئے کہ وہ بیبیاں جنہیں "سوٹ کی کاپی" کی اصطلاح سنتے ہی سوٹ بچھو کی طرح ڈنک مارا کرتی تھیں اب وہی لفظ replica کو بخوشی قبول کر کے اس پر ٹوٹ پڑنے کو تیار دکھائی دیتی ہیں! کمائی کا انداز ہے ہنت نئے طریقے دریافت کرنا ہے تو ہمارے دائیں ہاتھ کا کھیل سمجھا جاتا ہے ۔ جیسے دودھ کو پانی کا ذائقہ چکھاتے اسی طرح اصلی میں نقلی کا سواد ایسا گھلتا ہے کہ دو لاکھ کے سوٹ میں بھی نقص نکال دینے کی صلاحیت رکھنے والی عورت اس replica نامی بلا کو خوشی خوشی قبول بھی کرتی ہے اور دل ہی دل میں عید کے موقع پر اپنی سہیلی کو جلن کا بھرپور احساس دلانے کا نیک ارادہ بھی باندھتی ہے ۔ برینڈز کی بیماری کا عالم بالکل ایسا ہے جیسے کم وقت میں زیادہ پیسہ کمانے کی دھن سر پر سوار ہو یا پھر رمضان میں بھوک سر پر سوار بھوک و پیاس! لوگوں کی دسترس میں روٹی، کپڑا اور مکان ہو نہ ہو برینڈڈ سوٹس سیل کی پرچی ہمہ وقت ان کی جیب میں یوں موجود رہتی ہے کہ جونہی شوقین بھگارنے کی ایر جیسی گھٹاک سے اس کی پرچی آلہ دین کے چراغ کا جن بن کر جیب سے باہر ا ریپلیکا کے وجود میں آنے کی داستان بھی زیادہ پرانی نہیں لیکن اتنی دل بھرانے والی ضرور ہے کہ پڑھنے والا۔۔۔۔۔۔

(بقیہ صفحہ 23 پر)

اردو ادب میں غالب ہی وہ پہلے شخص یا شاعر ہیں جن کے خطوط خود ان کی زندگی میں محفوظ کئے گئے اور ج کے دو (مجموئے) شائع کئے گئے

(۱) اردوئے معلیٰ اور (۲) عود ہندی۔ غالب میں خود شناسی اور (خود اعتمودی) بہت تھی۔ اوا پنی شاعری اور اپنے خطوط دونوں کی اہمیت کا صحیح اندازہ رکھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی شاعری بھی زندہ رہے گی اور ان کے خطوط بھی۔ اس معاملے میں ان کے (دوست) بھی ان سے متفق تھے۔ (لہذا) انہوں نے اپنی شاعری کی طرح اپنے خطوط بھی محفوظ کرنے کی (کوشیش) کی اور اس (کوشیش) میں کامیاب رہے۔ غالب کے (خطوں کی) حفاظت کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک ان کے خطوط کے کئی مجموعے سامنے آچکے ہیں ۔غالب سے پہلے اردو شاعری میں جو بڑی شخصیتیں گزریں مثلاً ولی دکنی ،میرتقی میر۔ میر درد، مرزا رفیع سودا، میر حسن وغیرہ ان کے خطوط بھی محفوظ نہ ہو سکے۔ لیکن غالب کے زمانے سے لے کر آج تک یہ کوشش جاری ہے کہ ممتاز ادیبوں اور شاعروں کے خطوط محفوظ (کیے) جائیں۔ چنانچہ غالب کے زمانے کی دوسری نہایت اہم شخصیت سید احمد خان اور ان کے رفقائے کار مولانا حالی شبلی نعمانی ، نذیر احمد اور محمد حسین آزاد کے خطوط کے چھپے مجموعے موجود ہیں۔ اردو کے جو صاحب طرز (نسر نگار) گزرے ہیں انہوں نے اپنے ذاتی خطوط میں بھی اپنی نثر کی خوبیوں کو برقرار رکھنے کی (کوشیش) کی ہے یا اس بات کو یوں سمجھنا چاہیے کہ ان کے ذاتی خطوط میں بھی ان کی نثر کی خوبیاں موجود ہیں ۔ مثلاً شبلی نعمانی کے ایک دوست اور پرستار مہدی افادی تھے جو اردو کے مشہور انشاپردازوں میں سے تھے۔ ان کے خطوط کے دو مجموعے ان کی بیگم نے شائع کئے۔ ان مجموعوں کا ہر خط مہدی افادی کے مخصوص اسلوب کی نمائندگی کرتا ہے۔ ہوں تو اگر کسی ادیب یا شاعر کے خطوط میں اسلوب کی خوبیاں نہ ہوں پھر بھی ان کی اہمیت کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ کسی ممتاز ادیب یا شاعر کے خطوط ہیں۔ لیکن بعض اہل قلم کے خطوط اپنے مضوعات اور اسلوب دونوں کے اعتبار سے مستقل تصانیف کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ مثلاً اردو میں نیاز فتح پوری کے خطوط کے تین مجموعے جو مکتوبات نیاز، کے عنوان سے تین جلدوں میں شائع ہوئے ہیں یا مولانا ابوالکلام آزاد کے وہ خطوط جو ،غبار خاطر،، کے نام سے شائع ہوئے۔

دوم پیراگراف

اردو ادب میں غالب ہی وہ پہلے شخص یا شاعر ہیں جن کے خطوط خود ان کی زندگی میں محفوظ کئے گئے اور ج کے دو مجموعے شائع کئے گئے (۱) اردوئے معلیٰ اور (۲) عود ہندی۔ غالب میں خود شناسی اور خود اعتمادی بہت تھی۔ وہ اپنی شاعری اور اپنے خطوط دونوں کی اہمیت کا صحیح اندازہ رکھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی شاعری بھی زندہ رہے گی اور ان کے خطوط بھی۔ اس معاملے میں ان کے اہل نظر احباب بھی ان سے متفق تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی شاعری کی طرح اپنے خطوط کو بھی محفوظ کرنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں کامیاب رہے۔ غالب کے خطوط کی حفاظت کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک ان کے خطوط کے کئی مجموعے سامنے آچکے ہیں ۔غالب سے پہلے اردو شاعری میں جو بڑی شخصیتیں گزریں مثلاً ولی دکنی ،میرتقی میر۔ میر درد، مرزا رفیع سودا، میر حسن وغیرہ ان کے خطوط بھی محفوظ نہ ہو سکے ۔لیکن غالب کے زمانے سے لے کر آج تک یہ کوشش جاری ہے کہ ممتاز ادیبوں اور شاعروں کے خطوط محفوظ کیے جائیں۔ چنانچہ غالب کے زمانے کی دوسری نہایت اہم شخصیت سید احمد خان اور ان کے رفقائے کار مولانا حالی شبلی نعمانی ،نذیر احمد اور محمد حسین آزاد کے خطوط کے چھپے مجموعے موجود ہیں ۔اردو کے جو صاحب طرز نثر نگار گزرے ہیں انہوں نے اپنے ذاتی خطوط میں بھی اپنی نثر کی خوبیوں کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے یا اس بات کو یوں سمجھنا چاہیے کہ ان کے ذاتی خطوط میں بھی ان کی نثر کی خوبیاں موجود ہیں ۔ مثلاً شبلی نعمانی کے ایک دوست اور پرستار مہدی افادی تھے جو اردو کے مشہور انشاپردازوں میں سے تھے۔ ان کے خطوط کے دو مجموعے ان کی بیگم نے شائع کئے۔ ان مجموعوں کا ہر خط مہدی افادی کے مخصوص اسلوب کی نمائندگی کرتا ہے۔ یوں تو اگر کسی ادیب یا شاعر کے خطوط میں اسلوب کی خوبیاں نہ ہوں پھر بھی ان کی اہمیت کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ کسی ممتاز ادیب یا شاعر کے خطوط ہیں ۔لیکن بعض اہل قلم کے خطوط اپنے مضوعات اور اسلوبدونوں کے اعتبار سے مستقل تصانیف کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں ۔مثلاً اردو میں نیاز فتح پوری کے خطوط کے تین مجموعے جو مکتوبات نیاز، کے عنوان سے تین جلدوں میں شائع ہوئے ہیں یا مولانا ابوالکلام آزاد کے وہ خطوط جو ،غبار خاطر،، کے نام سے شائع ہوئے۔

صحیح الفاظ اور جملوں کی نشاندہی کرتے ہوئے صحیح پیراگراف کے ہمراہ اپنا نام پتہ لکھ کر کوپن 15 جولائی 2016ء تک بھیج دیں دیر سے آنے والے کوپن مقابلے میں شامل نہیں ہوں گے نتائج کا اعلان ہر ماہ کیا جائے گا مگر اس سلسلے کے انعامات سہ ماہی کی بنیاد پر دیئے جائیں گے

مشقِ مغز (2) عظمیٰ فردوس

انسانی کھوپڑی کے اندر پائے جانے والے مغز کا کام تمام انسانی اعضاء کو کنٹرول کرنا ہے اور احکامات صادر کرنا ہے اور ہماری بزرگ خواتین اپنے بچوں کو خاص بادام رات بھر بھگو کر صبح نہار منہ چھیل کر طاق اعداد یا پھر بادام کا حلوہ کھلایا کرتی تھیں تا کہ بچوں کے دماغ تیز ہوں اور مدرسے کی پڑھائی کے دوران دماغی کمزوری نہ ہو۔ آج کے ماہرین بھی اچھی اور مقوی غذا کے ساتھ ساتھ دماغی پیچیدہ مشقوں کا مشورہ دیتی ہے تا کہ انسان اپنے دماغ کو چست اور فعال رکھے اور کوڑھ مغز، کند ذہن اور بھولنے جیسی بیماریوں کا سدِ باب ہو سکے۔ آیئے ہم آپ کے لئے دلچسپ اور ذہنی مشق کے لئے یہ پزل لائے ہیں ۔اوپر نیچے،آڑھا ترچھا یا دائیں بائیں کسی بھی زاویے سے حل کریں

ش	ط	ا	ز	ا	ل	ش
ک	ی	ن	ق	م	و	م
ر	س	ل	ا	ب	ا	ظ
ر	ی	و	ن	ڈ	ج	غ
ش	ز	ع	ی	ی	ت	س
ت	ا	و	ک	ڈ	ی	م
ا	س	چ	ق	ن	ی	ا
ض	ق	ل	ا	ڈ	ف	ل
م	ی	ا	ی	ت	ر	ط
ا	ل	ح	ض	ا	ن	ڑ
ب	ھ	س	ا	ق	ھ	ہ
ڑ	و	و	و	ا	چ	ا
ب	ث	غ	ث	ش	غ	ل
ہ	ہ	ڈ	گ	گ	ھ	ق
ل	ا	ر	و	ث	ث	ہ
ا	ک	ی	ز	ی	ن	پ
و	ے	ش	و	ب	ڈ	ھ
غ	ظ	ا	ث	ا	ک	ی
ہ	ر	ن	و	ہ	چ	ش

الفاظ و مرکبات: ۱۔ بدن پھیکا ہونا (بخار ہونا، حرارت ہونا) ۲۔ توشے کی روٹی (کھانا جو میت کے دفن کرنے پر تقسیم کرتے ہیں) ۳۔ جذبِ مقناطیسی (مقناطیس کی کشش) ۴۔ زیب و زینت (آراستگی، سجاوٹ) ۵۔ گدرائٹ (پھل کے پکنے کی قریب کی حالت) ۶۔ مستجابُ الدعوات (جس کی دعا قبول ہو) ۷۔ ناظرہ خواں (وہ جو حافظ قرآن نہ ہو مگر دیکھ کر پڑھ سکتا ہو) ۸۔ واسوخت (مسدس طرز کی ایک ایسی نظم جس میں معشوق کے ظلم و ستم بیان کر کے اس سے بیزاری کا اظہار کیا جاتا ہے) ۹۔ شگوفہ چھوڑنا (چٹکلا چھوڑنا، کوئی بات بنا کر دو آدمیوں کو لڑوا دینا) ۱۰۔ سقیم الحال (کمزور، بیمار، بہت مفلس) ۱۱۔ قاضی القضات (سب سے بڑا قاضی، چیف جسٹس) ۱۲۔ ہمہ دم جبر (جلدی جلدی) ۱۳۔ یتیم الطرفین (جس کے ماں باپ دونوں مر چکے ہوں) ۱۴۔ شکر ریز (شیریں گفتار) ۱۵۔ چنڈال چوکڑی (مفسدوں کا گروہ)۔☆☆

الجھنیں سلجھنیں پیراگراف اور ذہنی مشق حل کر کے اپنے نام پتہ کے ہمراہ پی او بکس نمبرا خانپور ضلع رحیم یار خان جلد از جلد بھیج دیں دیر سے بھیجنے والوں کو مقابلہ میں شامل نہیں کیا جائے گا نتائج کا اعلان ہر ماہ کیا جائے گا مگر اس سلسلے کے انعامات سہ ماہی کی بنیاد پر دیئے جائیں گے۔

موضوع ہمارا مکالمے آپ کے

دعا کے مفہوم اور اہمیت کے موضوع پر مکالمہ

مکالمہ نویسی

انچارج رضیہ رحمٰن خانپوال

رمضان کا مہینہ ہے رضیہ رحمٰن وران کے بچے محمد عبداللہ یحییٰ اور محمد عبدالرحمٰن یحییٰ افطاری کے لئے دسترخوان سجا کر فارغ ہوئے تو رضیہ رحمٰن نے بچوں سے کہا کہ افطاری سے پہلے کا وقت دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے ،اس لئے ہم سب دعا کرتے ہیں۔ اپنی امی کی یہ بات سن کر بچوں اور والدہ کے درمیان یہ مکالمہ ہوا۔

عبداللہ: ماما جی! دعا کا کیا مطلب ہے ؟

رضیہ رحمٰن! بیٹا! دعا کا مطلب ہے مانگنا، چاہنا، مدد مانگنا یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنی ضرورت بیان کرنا ،اس سے کچھ مانگنا۔

عبداللہ: ماما جی! آپ نے بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر رہتا ہے ،تو وہ اتنی دور سے ہماری دعاؤں کو کیسے سُن لیتا ہے؟

رضیہ رحمٰن: بیٹا جی! بظاہر اللہ تعالیٰ ہم سے بہت دور عرش پر رہتا ہے مگر وہ ہمارے بہت قریب ہے ،قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

،،جب میرے بندے میرے بارے میں آپ ﷺ سے پوچھیں تو (کہہ دیں) میں قریب ہوں ،ہر پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں،،

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہی ایک اور جگہ فرمایا ہے:

،،ہم تو تمہاری شہ رگ سے بھی قریب ہیں،،

عبداللہ: ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ نے بھی دعا کے بارے میں کچھ بتایا ہے؟

رضیہ رحمٰن: جی ہاں! ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ کی دعا کے بارے میں کئی احادیث ہیں ۔ایک حدیث مبارک ہے کہ ،،دعا عبادت ہے،،

ایک دوسری حدیث میں ہے ،،دعا مومن کا ہتھیار ہے ،دین کا ستون ہے اور آسمان و زمین کی روشنی ہے

عبداللہ: ماما جی! دعا کیسے مانگنی چاہیئے؟

رضیہ رحمٰن: پہلے اپنے لئے دعا کرنی چاہیئے پھر دوسروں کے لئے دعا مانگنی چاہیئے ۔دعا میں اپنے گناہوں کی معافی کی دعا ضرور کرنی چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اُس کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور دعا کرتے وقت یہ یقین ہونا چاہیئے کہ جو چیز ہم مانگ رہے ہیں وہ اگر ہمارے لئے بہتر ہوگی تو اللہ تعالیٰ ہمیں ضرور دے گا۔

عبداللہ: کیا ہر دعا مانگنے والے کی دعا قبول ہو جاتی ہے؟

رضیہ رحمٰن: آپ نے بہت اچھا سوال کیا ہے، حرام کھانے ،حرام پینے اور حرام لباس پہننے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی جبکہ ہمارے پیغمبر نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا قبول ہوتی ہے ،مظلوم کی دعا ،مسافر کی دعا ،والد کی اپنی اولاد کے حق میں دعا ،ہمارے پیارے نبی ﷺ نے بتایا تین آدمیوں کی دعائیں رد نہیں ہوتیں ،روزہ دار کی دعا افطار کے وقت ،عدل و انصاف کرنے والے حکمران کی دعا ،مظلوم کی دعا۔

عبدالرحمٰن: دعا کس وقت مانگنی چاہیئے ؟

رضیہ رحمٰن: ویسے تو جب بھی ضرورت ہو دعا مانگی جا سکتی ہے لیکن کچھ اوقات ایسے ہیں جن میں دعا جلدی قبول ہوتی ہے۔

عبدالرحمٰن: ہمیں بتائیں کہ وہ کون سے اوقات ہیں جن دعا قبول ہوتی ہے ؟

رضیہ رحمٰن: اذان اور اقامت کے دوران تہجد کے وقت ،فرض نماز کے بعد ،جمعہ کے دن کی ایک گھڑی میں، سجدے میں، سحری کے وقت، روزے کی حالت میں، شب قدر میں، قرآن مجید کی تلاوت کے بعد، آب زم زم پیتے وقت، میدان جنگ میں ،بارش برستے وقت۔

عبداللہ: کیا دعا مانگنا ضروری ہے؟

رضیہ رحمٰن: جی بیٹا دعا نہ مانگنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں مانگتا اللہ اُس سے ناراض ہوتا ہے اس لئے ہمیں دعا ضرور مانگنی چاہیئے۔

عبدالرحمٰن: آپ کہتی ہیں کہ اپنے ماں باپ کے لئے دعا ضرور کرنی چاہیئے۔ اس سے کیا فائدہ ہوتا ہے ؟

(بقیہ صفحہ 48 پر ملاحظہ فرمائیں)

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد | صائمہ اکرام | عُشنا کوثر سردار | اشفاق احمد
نمرہ احمد | سعدیہ عابد | نبیلہ عزیز | نسیم حجازی
فرحت اشتیاق | عفت سحر طاہر | فائزہ افتخار | عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو | تنزیلہ ریاض | نبیلہ ابر راجہ | ہاشم ندیم
نگہت سیما | فائزہ افتخار | آمنہ ریاض | مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ | سباس گُل | عنیزہ سید | مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ | رُخسانہ نگار عدنان | اقراء صغیر احمد | علیمُ الحق
رفعت سراج | اُمِ مریم | نایاب جیلانی | ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ،
سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

اردو کی ترویج — سوشل میڈیا اوران پیج
اردو میں لکھنے کی اہمیت

انچارج: یسریٰ امین

ان پیج اردو جو کہ خاص اردو لکھنے والوں کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے بنایا گیا ہے اور آج کل اہل قلم اس سوفٹ ویئر کے ذریعے ہی اپنی تحریر کو خوش نما انداز میں تحریر کرتے ہیں۔ خوشنویسی ایک فن ہے جو کہ ہر شخص کو پسند ہے۔ "ان پیج اردو" جو کہ خاص طور سے اردو کے لیے ایک مکمل لے آؤٹ سوفٹ ویئر پیکیج ہے اس میں کتابت کی تمام خوبیاں موجود ہیں اگر یہ کہا جائے کہ اس سوفٹ ویئر نے رائٹرز، اساتذہ اور پرنٹ میڈیا کے لیے بہت آسانی کردی ہے جس کی وجہ سے آپ با آسانی کسی بھی قسم کے دستاویز، کتابیں اور رسالے تیار کرسکتے ہیں جو کہ اس سے پہلے کافی مشکل تھا اور ہمارا وقت بھی بہت لگ جاتا تھا پر ان پیج کی وجہ سے کم وقت میں معیاری کام ہوتا ہے۔

"ان پیج اردو" کو استعمال کرنا اتنا مشکل کام بھی نہیں ہے، اردو میں استعمال ہونے والا خط نستعلیق کہلاتا ہے۔ "ان پیج اردو" میں جس خط کو بنیاد بنایا گیا ہے وہ "نوری نستعلیق" ہے جو مرزا نور احمد مرحوم سے منسوب ہے۔

"ان پیج اردو" دائیں جانب سے لکھنے والی زبان جیسے اردو، عربی، فارسی، سندھی اور پشتو ان سب زبانوں کو بہت بہتر طریقے سے کام کرنے کی سہولت فراہم کرتا ہے۔ ساتھ ہی انگلش زبان (اور بائیں جانب سے لکھنے والی زبان کے فونٹ جو ونڈوز کے موافق ہوں) اس کے فیچرز بھی دستیاب ہیں۔

آج کل درس و تدریس کے لیے بھی ان پیج کا استعمال کیا جاتا ہے نوٹس بنانا ہو یا پھر امتحانی پرچے یہ سب با آسانی بنایا جاسکتا ہے اور اساتذہ اس کے استعمال کو ہی ترجیح دینا پسند کرتے ہیں۔

"ان پیج اردو" کو استعمال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انٹرنیٹ سے "ان پیج" یا "ان پیج پروفیشنل" دونوں میں سے کسی ایک سوفٹ ویئر کا انتخاب کرکے اپنے کمپیوٹر میں ڈاؤنلوڈ کریں ساتھ میں یہ بات بھی اپنے ذہن میں رکھیں کہ "ان پیج" کا ورژن نیا ہو تاکہ آپ نئے فیچرز سے فائدہ اٹھا سکیں۔

"ان پیج اردو" کو استعمال کیسے کیا جاتا ہے:

☆ سب سے پہلے ان پیج کا سوفٹ ویئر اپنے کمپیوٹر پہ انسٹال کریں جو کہ انٹرنیٹ کی مختلف ویب سائٹس پے موجود ہے۔

☆ جب "ان پیج اردو" انسٹال ہوجائے اس کے بعد START مینو پر کلک کریں اور پروگرام مینو آئٹم سے ان پیج اردو کا انتخاب کریں۔

☆ "ان پیج اردو" لاؤنچ کرنے کے بعد ایک ان پیج اردو سیٹ اپ اسکرین پر ظاہر ہوگا۔

چند لمحے بعد اسٹارٹ اپ اسکرین غائب ہوجائے گی اس کے بعد درج ذیل مینو پر مشتمل ان پیج اسٹارٹ اپ مینو بار ظاہر ہوگا۔

☆File

☆ Preferences

☆ Help

فائل مینو کے ذریعے آپ:

☆ نئی دستاویز بنا سکتے ہیں۔

☆ موجودہ فائل کھول سکتے ہیں۔

☆ پرنٹ سیٹ اپ درست کرسکتے ہیں۔

☆ File مینو سے New مینو آئٹم کا انتخاب کریں۔ ایک New Document ڈائیلاگ باکس ظاہر ہوگا۔

☆ آپ اس میں کاغذ سائز، صفحہ، سائز کا رخ، حاشیہ، خودکار ٹیکسٹ باکس وغیرہ متعین کرسکتے ہیں یا پہلے سے متعینہ (Default Setting) دستاویز میں کام کرسکتے ہیں۔

☆ OK بٹن پر کلک کریں۔

ایک نئی دستاویز متعینہ خصوصیات کے ساتھ تیار ملے گی۔

(ان پیج انٹرفیس)

درج ذیل ذرائع ان پیج کو اردو کو بہتر بناتا ہے۔

☆ انگلش / اردو / سندھی انٹری کے لیے ٹوگل مینو / کمانڈ

☆ ٹولس

☆ ربن

☆ اسٹیٹس بار

☆ رولرس

☆ ڈاکومنٹ ایریا (دستاویزی علاقہ) اور

☆ اسکرول بارس

(جاری ہے)

☆☆☆

اگر آپ کو کوئی بھی سوال کرنا ہو تو بلا جھجک ہمیں ای میل کریں یا ہمیں دفتر قلم کی روشنی پی او بکس نمبر ۱ خانپور ضلع رحیم یار خان کے پتہ پر خط ارسال کریں۔

سب سے آگے
میرا تعارف میری زبانی
انچارج: انیقہ اظہر

"قلم کی روشنی" پیج و گروپ کے متحرک ممبران کا تعارف ان کی زبانی آپ سب کی خدمت میں پیش ہے۔

☆

میں رضوانہ صدیقی، میرا تعلق ایک ادبی گھرانے سے ہے یوں سمجھ لیں کہ پڑھنا لکھنا میری گھٹی میں شامل ہے بچپن سے ہی چھوٹی چھوٹی چیزیں لکھا کرتی تھی اور اپنی اساتذہ اور دوستوں کو دکھا کر داد وصول کیا کرتی تھی پھر کالج میں پہنچ کر اخبار میں کالم لکھنے شروع کر دیئے مختلف ڈائجسٹ میں اشعار، سوالات اور پیغامات چھپتے رہتے تھے۔ کالج میں اپنی دوستوں کے ساتھ مل کر ایک سوسائٹی مجلس ادب کے نام سے بنائی اور ہم سب ایک دوسرے کو اپنی لکھی ہوئی تحاریر سناتے تھے۔ کالج میں مشاعرے اور تقریری مقابلے میں حصہ لیا کرتی تھی اور پھر شادی کے بعد یہ سلسلہ پڑھنے کی حد تک رہ گیا اب نیٹ کے ذریعے میرا ساتھ لکھاری کے طور پر قلم کی روشنی کے ساتھ ہے۔ (رضوانہ صدیقی)

☆

میرا نام ناہید اختر بلوچ ہے۔ پاکستان کے ایک بہت خوبصورت شہر ڈیرہ اسماعیل خان سے تعلق رکھتی ہوں۔ بچپن ہی سے قلم اور کتاب سے رشتہ بہت مضبوطی سے بندھا اور آج تک یہ رشتہ قائم و دائم ہے۔ آرٹیکلز اور کہانیوں کے ساتھ ساتھ شاعری بھی کرتی ہوں۔ اور میری شاعری کئی ادبی رسالوں میں شائع بھی ہو چکی ہے۔ میں اپنی شاعری اور تحریروں کے ذریعے معاشرتی اور سماجی مسائل کی نشاندہی اور ان کے حل کے لئے کوشاں رہتی ہوں۔ اور میں اپنے قلم کے ذریعے ایک صحت مند اور خوشحال پاکستان کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے میں اپنا حصہ ضرور ڈالوں گی۔ (ناہید اختر بلوچ۔۔۔۔ ڈیرہ اسماعیل خان)

☆

السلام علیکم

میں نے قلم کی روشنی گروپ سے لکھنے کی ابتدا کی میرا پہلا آرٹیکل "محبت" تھا قلم کی روشنی نے مجھے نئی پہچان دی اور لکھنے کا شوق دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے، میرے ساتھ بہت سے لوگوں کی دعائیں ہیں اور سب کا ڈھیر سارا پیار بھی۔ میری فیوچر کا خواب ہے کہ میں ایک بڑی مصنفہ بن کر دکھاؤں "قلم کی روشنی" اور رفعت خان کا بہت شکریہ کہ ان کی وجہ سے آج میں یہاں ہوں۔ میری دعا ہے کہ قلم کی روشنی اور اس کے منتظمین خوب نام روشن کرے۔ رفعت کی محنت سے اردو ادب کو ان شاءاللہ فروغ ضرور ملے گا۔ آمین (یسریٰ آمین۔ کراچی)

☆

السلام علیکم،

اپنا تعارف مجھے لگتا ہے سب سے مشکل کام ہے لیکن پھر بھی میں کوشش کرتی ہوں۔ میرا پورا نام ثناء واجد ہے۔ پیدائش میری لاہور کی ہے لیکن سارا بچپن کراچی میں گزرا۔ ایف۔ایس۔سی پری میڈیکل سے کیا تھا کہ اسکے بعد شادی ہو گئی شادی کے بعد پھر اردو میں بی اے کیا تھا اس کے بعد آگے پڑھنے کا حوصلہ ہی نہ کیا بچپن سے ہی پڑھنے کا بہت شوق تھا پر نصابی کتابیں نہیں جناب صرف غیر نصابی کتابیں ہی پڑھنے کا شوق تھا لیکن کبھی لکھنے کا نہیں سوچا تھا۔ ہاں ایک دفعہ کالج میں اعلان کیا گیا تھا کہ ایک ادبی رسالہ شائع کیا جائے گا تو اسکے لئے جو کوئی لکھنا چاہتا ہے لکھے اور میں نے ایک کہانی بھی لکھی تھی پر وہ رسالہ شائع ہی نہیں ہوا پھر کبھی دوبارہ کوشش ہی نہیں کی لکھنے کی لیکن جب فیس بک جوائن کی تو حیرت ہوئی یہ تو ایک الگ ہی دنیا ہے جہاں سارا جہاں صرف ایک کلک پر ہی سمٹ کر سامنے آ جاتا ہے اور اس طرح میرا واسطہ بہت سے ادبی گروپس اور پیجز سے پڑا جن میں لکھنا سیکھنے کے لئے فیس بک پر ہی میری ایک استاد بنیں ان کا گروپ جوائن کیا ان سے ہی لکھنا سیکھا اور انہوں نے ہی میری اس صلاحیت کو ابھارا اور لکھنا سکھایا پھر اسکے بعد میرا واسطہ "قلم کی روشنی" گروپ سے پڑا جہاں میری بہت حوصلہ افزائی کی گئی اور یہیں سے میرا ایک نیا سفر شروع ہو چکا ہے۔ میں رفعت جی کی بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے نئے لکھنے والوں کو اتنا اچھا اور اعلیٰ پلیٹ فارم مہیا کیا ہے۔ ایک طرح سے میں کہہ سکتی ہوں کہ فیس بک میرے لئے بہت خوشگوار اور مؤثر ثابت ہوئی۔ (ثناء واجد۔ لاہور۔ کراچی)

☆

اسلام علیکم!

سب سے مشکل کام اپنا تعارف خود کروانا بلکہ اپنی تعریف کرنا (ہاہاہا) نام آپ پڑھ ہی چکے ہیں پھر بھی بتائے دیتے ہیں، ماں دلت کو ویسے تو کئی ناموں سے بلایا جاتا ہے مگر آفیشل نام کوثر ناز ہے (امی) حیدرآباد جیسے پرسکون شہر کی باسی ہوں تعلیم جاری ہے اگر ڈگری کی بات کروں تو ایم اے سی (زوالوجی سال اول) کی طالبہ ہوں۔۔ مشاغل پڑھنا لکھنا کے علاوہ ادبی سرگرمیوں کا حصہ بننا ادبی مقابلوں میں جیتنا سرفہرست آتا ہے (دانت دکھا رہے ہیں ہم اپنے دیکھ لیں) ویسے آج کل پڑھائی خاصے زوروں پر ہے سو پڑھائی پر توجہ ہے اور باقی سرگرمیاں کم ہیں شاعری سے خاصہ شغف نہ صرف رکھتے ہیں بلکہ کرتے بھی ہیں حال ہی میں بطور شاعرہ شاعری بھی ایک میگزین کا حصہ بنی تعارف کے لیئے سطریں محدود ہیں ورنہ ہم آدھے صفحے میں بیان ہونے والی ہستی نہیں (بڑا قہقہہ جی ہاں قہقہہ بڑا چھوٹا بھی ہوتا ہے) عادت مزاج کیسی ہوں یہ تو احباب بتا سکتے ہیں لیکن سب کے چہروں پر مسکراہٹ دیکھنا اچھا لگتا ہے لیکن تھوڑی موڈی ضرور ہوں اور پسند نہ پسند بھی اسی حساب سے ہے۔ جتنی سطروں کی حدود بتائی تھی وہ یقینا تجاوز کر گئی ہے ابھی کے لیئے اتنا ہی کافی ہے باقی پھر کبھی سہی۔۔۔

خدا وطن عزیز اور اسکے باسیوں پر اپنا خصوصی کرم فرمائے آمین ثم آمین۔ ((کوثر ناز۔۔۔ حیدرآباد)

☆☆

قارئین! آپ بھی آگے بڑھ کر انعامات جیتنا چاہتے ہیں اور اپنا خوبصورت تعارف قلم کی روشنی میں دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمارے گروپ و پیج کے زیادہ سے زیادہ پیغامات کو پسند کیجئے اور اپنے خیالات کا اظہار کیجئے شکریہ

☆☆☆

آئیے حسن کونکھاریے

رابعہ عمران چودھری
رحیم یار خان

موسم گرما میں دیرپا میک اپ

گرمیوں میں میک اپ کو پھیلنے سے بچانے کیلئے اہم اور ضروری بات کا خیال رکھیں کہ میک اپ کرنے سے پہلے اپنے چہرے پر آئس کیوبس (برف کی ڈلیاں) اچھی طرح سے رگڑیں۔ اس کا ٹھنڈک پہنچانے اور مساموں کو بند کرنے کا اثر اضافی تیل کو جذب کر دیتا ہے۔ مساموں کے بند ہو جانے سے آپ کے چہرے کو دیرپا قائم رہنے والے میک اپ کیلئے ایک صاف ستھرا جسلتا ہے۔ موسم گرما میں اپنے پاس ہمیشہ ایک ململ کا رومال رکھیں۔ اسے ٹھنڈے پانی میں بھگو کر چہرے پر تھپا لیا کریں۔ اس سے آپ کا چہرہ تازہ محسوس ہوگا اور ٹھنڈک کا احساس ہونے کے ساتھ جب آپ میک اپ کریں گی تو وہ دیرپا رہے گا۔ اگر آپ موسم گرما میں میک اپ کرنا چاہتی ہیں تو میک اپ کرنے میں عجلت نہ کریں۔ یہ بلینڈ کرنے اور میک اپ کی تہہ جمانے کا نکتہ ہے۔ ہر شے کو پاؤڈر سے جمایئے مزید چند ٹپس تحریر کیے جا رہے ہیں ان پہ توجہ دیں اور گرمی کا مقابلہ میک اپ سے کریں

میک اپ ٹپس

☆ میک اپ کرنے کیلئے جو کاسمیٹکس استعمال کی جائیں یا رنگ لگائے جائیں ان کو اچھی طرح بلینڈ کریں۔

☆ میک اپ کرنے سے پہلے اپنی کاسمیٹکس کو صاف کریں۔ برش، پف، اور ایپلیکیٹر وغیرہ سب صاف ہونے چاہیے۔ اپنے ہاتھوں کو اچھی طرح دھوئیں۔

☆ آنکھوں کو بڑا کرنے کیلئے سفید یا سلور پنسل آنکھوں کے اندر لگائے یا گولڈن پنسل آنکھوں کی نچلی پلکوں کے ساتھ لگانے سے بھی آنکھیں بڑی ہونے کا تاثر دیتی ہیں۔

☆ کیل مہاسوں اور نشانوں کیلئے کنسیلر لگائیں۔

☆ میک اپ کرنے سے پہلے اس بات کا خیال رکھیں کے جلد مکمل طور پہ صحت مند ہے۔ اس کے مسام بند ہیں۔ اس کے لئے تیاری کرنی پڑتی ہے جیسے ٹوننگ کہتے ہیں۔ اس سے جلد نرم و ملائم، صاف اور موسچرائزر ہو جاتی ہے۔

☆ آئی برو کو چہرے کے لحاظ سے متوازن رکھیں۔ اگر میک اپ کے بعد ان کا رنگ ہلکا ہو گیا ہے تو اس پہ مسکارا یا پنسل لگا کر گہرا کر لیں۔ اگر پہلے سے ہی ان کا رنگ گہرا ہے تو اس پر تھوڑا سا کنسیلر لگا سکتی ہیں۔

☆ اگر آپ کی آنکھیں خوبصورت ہیں یا آپ نے میک اپ سے مزید خوبصورت بنا لیا ہے تو لپ اسٹک ہلکے شیڈ کی لگائیں۔

☆ لپ اسٹک اور آئی شیڈو کے بارے میں کوشش کریں کے شیڈ ایک سے ہوں

☆ اگر پلکوں کو گھنا کرنا ہے تو مسکارا لگا کر اس پہ پاؤڈر لگائیں پھر ایک اور کوٹ مسکارے کا لگائیں اس سے پلکیں گھنی ہو جائیں گی۔

☆ فاؤنڈیشن ہمیشہ جلد کی رنگت سے ایک شیڈ ہلکا

بقیہ — الجھنیں سلجھنیں

رضیہ رحمٰن: بیٹا! آپ نے بہت اچھا سوال کیا ہے، ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ رب العزت جنت میں ایک شخص کا درجہ بلند فرمائیں گے۔ وہ پوچھے گا اے میرے رب! میرا یہ درجہ کس وجہ سے بلند کیا گیا ہے؟ اللہ سبحان وتعالیٰ جواب دے گا: تمہارا یہ درجہ تمہاری اولاد کی تمہارے لئے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے بلند ہوا ہے۔

عبداللہ: ماجی! کیا دعا مانگنے کا کوئی خاص طریقہ ہے؟ دعا کیسے مانگنی چاہیئے؟

رضیہ رحمٰن: جی بیٹا بالکل دعا مانگنے کے کچھ آداب ہیں جن کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے، یہ آداب احادیث اور سنت کے ذریعے ہمیں سکھائے گئے ہیں۔

عبدالرحمٰن: ماما جی! ہمیں بھی وہ آداب بتائیں تاکہ ہم بھی ان کا خیال رکھیں۔

رضیہ رحمٰن: بیٹا یہ آداب بہت توجہ سے سنیں، یاد کریں اور اپنے دوستوں کو بھی بتائیں تاکہ وہ بھی دعا مانگتے وقت ان کا خیال رکھیں، دعا پوری توجہ اور خلوص سے مانگنی چاہیے، دعا مانگنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنی چاہیے، سورہ اخلاص یعنی "قل ہو اللہ احد"، اور نماز کے شروع میں جو ثناء پڑھتے ہیں سبحانک اللہ وہ بھی پڑھ سکتے ہیں، پھر نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنا بھی ضروری ہے۔

عبدالرحمٰن: کون سا درود پڑھنا چاہیے؟

رضیہ رحمٰن: درود ابراہیمی جو نماز میں التحیات میں ہم پڑھتے ہیں۔

عبداللہ: ہم جو کچھ مانگتے ہیں کیا وہ فوراً مل جاتا ہے؟ یعنی کیا دعا اسی وقت قبول ہو جاتی ہے؟

رضیہ رحمٰن: دعا کے قبول ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو چیز مانگی جائے وہ فوراً مل جائے بلکہ کبھی تو وہ چیز مل جاتی ہے اور کبھی نہیں۔ اگر مانگی ہوئی چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندے کے حق میں بہتر ہو تو مل جاتی ہے ورنہ نہیں۔ بیٹا جی! اس کی مثال ایسے ہے کہ آپ مجھ سے پیسے مانگتے ہیں تو کبھی میں مناسب سمجھتی ہوں تو آپ کو پیسے دے دیتی ہوں اور کبھی مجھے لگتا کہ پیسے دینا نقصان دہ ہوگا تو میں آپ کو پیسے نہیں دیتی۔

عبدالرحمٰن: اگر دعا قبول نہ ہو تو پھر کیا کرنا چاہیے؟

رضیہ رحمٰن: انسان کو ہر لمحہ، ہر پل اس یقین کے ساتھ دعا مانگتے رہنا چاہیے کہ دعا سنی جا رہی ہے۔ ممکن اور ناممکن تو ہماری سوچوں میں ہے اللہ تعالیٰ کے لئے تو کچھ بھی ناممکن نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا"

عبداللہ: گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے روزہ کھلنے میں دس منٹ باقی ہیں۔

رضیہ رحمٰن: آج ہم سب ان شاء اللہ اسی طرح دعا مانگیں گے جیسا کہ ہمیں سکھایا گیا ہے۔ عبداللہ۔ عبدالرحمٰن یک آواز ہو کر بولے ان شاء اللہ۔ ☆☆☆

ہماری سروے اور آپ کے تبصرے

زینب ملک ندیم

الحمدللہ! جیسا کہ آپ جانتے ہیں ""قلم کی روشنی"" کا پہلا شمارہ شائع ہو چکا ہے۔ یہ ایسا رسالہ ہے جس کا بنیادی مقصد نئے لکھاریوں کو آگے لانا اور ادب کا فروغ ہے۔ اس پر رسالے کی ادبی دنیا میں پہلے شمارے کے ساتھ آمد پر معروف مصنفوں اور ادب کے بہترین قاری سے سوال پوچھ کر ان کی رائے لی گئی ہے۔

سوال: ""السلام وعلیکم! پہلا شمارہ پڑھ کر آپ اس کے متعلق کیا کہیں گے کہ یہ رسالہ اپنے مقاصد میں کس حد تک کامیابی کا حامل ہو سکتا ہے؟""

☆سمیع ظہور: "" نیت اچھی ہو، امید اور کوشش کا دامن تھامے رکھو تو کیا نہیں ہو سکتا۔۔۔ تمام شاف اس ابتداء پہ مبارکباد کا مستحق ہے اور ہماری دعا، نیک تمنائیں اور آپ سب کی کوششیں رنگ لائیں گی اور یہ پہلا شمارہ تھا تو ہر آنے والا دن ترقی اور کامیابی کا ضامن ہوگا ان شاءاللہ۔

☆ندا حسنین (معروف مصنفہ): ""قلم کی روشنی"" ادبی دنیا میں ایک خوبصورت اضافہ ہے اسکے پہلے رسالے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ لکھاریوں کے قلم کو دوام بخشنے میں معاون ثابت ہوگا۔ میں سمجھتی ہوں ایسے رسالوں کی آمد پڑھنے کے شوقین خواتین و حضرات کیلئے ایک بہتر تحفے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ رسالہ لکھنے والوں کو بہترین پلیٹ فارم مہیا کرتا ہے تو بلاشبہ اس موقعے کو ضرور اپنائیں اور اپنا ہنر آزمائیں۔ ""قلم کی روشنی"" کیلئے میں دعا گو ہوں کہ وہ آگے ترقی و کامیابی کے مرحلے بخوبی طے کرتا جائے (آمین)۔ اور بلاشبہ ایک اچھی کوشش تھی بالخصوص مواد کا انتخاب بہت معیاری تھا اور جن مستقل سلسلوں کا آغاز کیا گیا ان میں بھی انفرادیت نظر آئی، کچھ تکنیکی خامیوں کے باوجود مجموعی طور پر اسے اردو ادب اور نئے لکھنے والوں کیلئے ایک بہتر پلیٹ فارم کا آغاز قرار دیا جا سکتا ہے، اس شمارے کی ایک بڑی خصوصیت مکالمہ سازی کے حوالے سے ایک مضمون بھی تھا جس سے خود مجھے بھی کئی نئی باتیں سیکھنے کا موقع ملا، میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، پر امید ہوں کہ قلم کی روشنی نئے لکھنے والوں کی آبیاری میں بھرپور طریقے سے کامیاب ہوگا۔

☆اقراء اعجاز: اس میں کوئی شک نہیں کہ قلم کی روشنی ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ جہاں لوگ ادب سے دور ہو رہے ہیں وہاں یہ رسالہ لوگوں کو ادب کی جانب راغب کر رہا ہے۔

☆جہاں آفتاب: لڑکیوں کیلئے بہت اچھا پلیٹ فارم ہے۔ اپنے لفظوں سے اپنی پہچان بنانے والوں کیلئے ایک بہت اچھا موقع ہے۔ ایک بہترین پلیٹ فارم اپنی صلاحیتوں کو منظر عام لانے خود کو منوانے کا بیحد آسان موقع ہے۔

☆ریما نور رضوان: دل کی تمام تر گہرائیوں اور سچائیوں کے ساتھ منفرد ہوتے ہوئے منفرد لفظوں کے ساتھ "قلم کی روشنی" میگزین کی مدیر اعلیٰ رفعت خان

عظمی آپی قلم کی روشنی اسٹاف اراکین قلم کی روشنی میگزین سے جڑے ہر فرد واحد کو ریما نور رضوان کا پیار اور خلوص بھرا اسلام علیکم!

""قلم کی روشنی"" کا پہلا شمارہ ماشاءاللہ !بہت عمدہ۔ بہت۔ بہت۔ بہت زبردست۔ ماشاءاللہ! رفعت آپی نے ادب کی دنیا میں بے لوث، چاہتوں سے مزین میگزین کا انعقاد کیا ہے۔ نئے لکھاریوں کو ایک خوبصورت پلیٹ فارم مہیا کیا ہے۔ رفعت آپی کی انتھک محنت اور لگن ہے۔ ماشاءاللہ پہلا شمارہ ہی دل کو بے حد بھایا۔

رفعت آپی نے ادب کو فروغ دینے کے لیے یہ اسٹیپ لیا ہے۔ ""قلم کی روشنی"" میں کافی سارے نام جانے پہچانے ہیں۔ اللہ پاک قلم کی روشنی میگزین کو ڈھیر ساری کامیابیوں سے ہمکنار کرے۔ جو خواب رفعت جی نے دیکھا ہے۔ اس کی تعبیر بہت۔ بہت۔ بہت خوب صورت ہو۔ قلم کی روشنی روشن اور جگمگاتی رہے۔ اندھیرے مٹائے۔ آمین۔

نیک تمناؤں اور نیک خواہشات کے ساتھ۔ ریما نور رضوان۔

☆غزالہ جلیل راؤ: لکھاری قلم اور کاغذ کا تعلق بہت گہرا ہے۔ جب تک کسی بھی لکھاری کی تحریر اشاعت کے مرحلے سے نہ گزرے وہ لکھاری ہونے کی سند حاصل نہیں کر سکتا۔ تحریر اور پھر اشاعت کے مرحلے سے گزرنا دو الگ چیزیں ہیں، اور کسی بھی جریدے میں تحریر کا شائع ہونا بے حد ضروری ہوتا ہے، ورنہ نہ کوئی آپکو جان پائے گا اور نہ تحریر کو، اور اکثر لکھاری اسی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں، کوئی شخص اور ادبی جریدہ ان کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا، مایوسی ان کو چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے اور ان کے اندر کا حبس بڑھتا چلا جاتا ہے، ایسے میں اگر کسی لکھاری کو ان کی تحریر کی اشاعت کا موقع مل جائے تو انکی خوشی انہیں عید کا چاند نظر آنے کے جیسی ہوتی ہے۔

ایسے میں قلم کی روشنی ان لکھاریوں کے لیے عید کا چاند ثابت ہوا ہے، اس میگزین کو دیکھ کر اندازہ ہوا ایسے لکھاریوں کی تحریروں کو جلا بخشی ہے، اور ان کو ادبی دنیا میں ایک نام اور پہچان دینے کی بھاری ذمے داری کا بوجھ اپنے کاندھوں پہ اٹھا لیا ہے، ان کے ہاتھوں میں پھر سے قلم تھماتے ہوئے اندر کی گھٹن کا سامان پیدا کر دیا ہے، قلم کی روشنی ان کے فن کو متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے، ادب کا کینوس بہت وسیع ہے اور قلم کی روشنی کے کینوس پر ہر فنکار اپنی سوچوں، تصور اور تخیل کی تصویریں پیش کر رہا ہے، اور ان لکھاریوں کی تحریروں کو فروغ دے رہا ہے، میں امید کرتی ہوں قلم کی روشنی ان لکھاریوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بلند سے بلند مقام کی طرف لے جائے گا اور ان کا نام ادبی دنیا میں ستاروں کی طرح جگمگائے گا ان شاءاللہ! آخر میں قلم کی ترقی کے لیے دعا گو ہوں، اللہ تعالیٰ اس میگزین کو ہر قدم پہ کامیابیاں عطا کرے آمین۔

☆ایم فاروق انجم: ابھی میں نے پہلا شمارہ دیکھا نہیں ہے لیکن یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں، جس کام کے پیچھے محنت، دیانت داری اور مقصد ہو وہ کام کامیابی سے ضرور ہمکنار ہوتا ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ ایک بہترین ادب کی تخلیق کا باعث بنیں گی، میری دعائیں آپ لوگوں کے ساتھ ہے۔

☆مریم جہانگیر: وعلیکم السلام! رسالہ کوئی بھی کیوں نہ ہو وہ معیار اپنی جگہ بنا سکتا ہے، قلم کی روشنی کے حوالے سے کچھ تجاویز دینا چاہوں گی، ایک رائٹر کی دو سے زیادہ تحریریں شامل نہ کریں، مختلف سیکشنز بنائیں، پرانے افسانے، جدید افسانے، بچوں کی کہانیاں، ہلکی پھلکی باتیں، شاعری وغیرہ، میری نیک خواہشات قلم کی روشنی اور

قلم کی روشنی

ISBN
منظور شدہ نمبر 978-969-9783-20-5

غزل

شاعرہ : رفعت خان

ڈیرے غموں نے ڈال رکھے ہیں
ہر لمحہ دل ہمارے ہلا رکھے ہیں
کون کتنا ہے مخلص جہاں میں
وقت نے سبھی مجرم بنا رکھے ہیں
فلاکتِ کی چادر اوڑھنی ہی پڑتی ہیں
کنجیاں رقیبوں کو جب تھمائی جاتی ہیں
وقتِ باہمِ اخوت کی نہ اگر جائے سنی
سر ادبار کی گھٹائیں ہی اُٹھا رکھتی ہیں
برسوں پہلے ہوئے تھے آزاد جو پنچھی
قید خانے انھی نسلوں نے بنا رکھے ہیں
خون دے کر حاصل تو کر لی تھی آزادی
غلام ہو کر دیار غیر پسینے بہائے جاتے ہیں
عقل و شعور سے گھر اپنے تو بن جاتے ہیں
محل دیکھ کر جھونپڑیاں اپنی گرائی جاتی ہیں
رب نے خوب نوازا سیرتِ صورت وحُسن
اطوارِ چڑیاگھر مگر خود ہی اپنائے جاتے ہیں

انور سنز پبلشرز
مطبع ساہیوال پرنٹنگ پریس 407۔ سٹیڈیم روڈ ساہیوال
0306-2808433, 0312-4228333